

شامِ رہبَشت



تألیف

مولانا امیر حمزہ

شامراہ بہشت

ایک ایسی کتاب جس کے بارہ ایڈیشن
شائع ہو کر بے شمار لوگوں کی ہدایت کا
ذریعہ بن چکے ہیں۔ مگر موجودہ ایڈیشن
جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں تین
نئے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔
کتاب میں درج تمام احادیث صحیح لائی
گئی ہیں۔ آیات اور احادیث پر اعراب
لگادیئے گئے ہیں۔ جو دلائل دیے گئے
ہیں ان میں سے بعض کے ثبوت دیتے
ہوئے ان کی نقلیں شائع کر دی گئی ہیں۔
سابقہ مضامین میں بھی مفید اور مدل
اضافے کیے گئے ہیں۔ یوں اس کتاب
کا نام تو پرانا ہی ہے مگر اب یہ ایک نئی
کتاب ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ موثر
ہو گی (انشاء اللہ)

دَارُ الْإِنْدُلُسِ ® اسلام کی نشر و اشاعت کا عالمی مرکز

لیک روڈ، چوہنگ لاهور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

مسنون خطبة

«إِنَّ الْمَحْمُدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ
مِنْ شَرُورِ أَنفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يُهْدِي اللَّهَ فَلَا
مُهْدِلٌ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ أَمَا بَعْدُ: فَإِنْ خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ
الْهَدِيَّ هَدِيٌّ مُحَمَّدٌ شَفِيَّهُ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَمَّدَاتُهَا وَكُلُّ
مُحَمَّدَةٍ بِلَهُ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالٍ فِي النَّارِ»
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ حَقٌّ نَعْقِلُهُ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آتُوكُمُ الْأَيْمَانَ خَلَقْنَا
مِنْ نُفُسُسٍ كَالْجَنَّةِ وَخَلَقْنَا مِنْهَا زُوْجَهَا وَمِنْ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَلِسَاءٌ وَالَّذِينَ آتَيْنَاكُمْ رِزْقًا
أَنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ
وَمَوْلَانَا قَوْلًا سَيِّدِنَا ○ يُصْلِحُ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَلَا يُغَرِّنَكُمْ
ذُوَّبَكُمْ وَمَنْ يُغَرِّنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ فَرَأَ قَوْلًا عَظِيمًا ○

١- آل عمران: ١٠٢٣ - ٢- النساء: ١١٤ - ٣- الأحزاب: ٢١ - ٤- مسند احمد: ٢٠١٣٣ -
صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب خطبة Thursday في الجمعة - ٥- مسلم: ١٥٣٦ -
ابوداود، كتاب السنة، باب في لزوم الصداقات، كتاب صلاة العيد،
باب كفف الحصبة، ابن ماجه، باب احتساب البدع والعدل -
دارمي، باب الباحث، مسند احمد: ١٢٧٤ - ٦- مسلم: ١٢٦ -

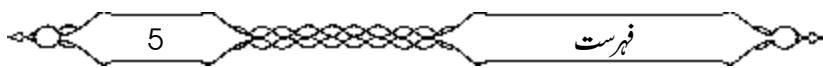
”بلاشبہ تعریف اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اس سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشن مانگتے ہیں۔ ہم اپنے لفوس کے شر اور اپنی بد اعمالیں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور شے اپنے درست وکار دے اس کے لیے کوئی ہر بڑی ہی نہیں ہو سکتا اور میں کوئی دنیا ہوں کہ مجبور برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں کوئی دنیا ہوں کہ مجھ پر ہر کوئی اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

حروصلہ کے بعد یقیناً تمام ہاتھوں سے بہترات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ حضرت ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بہترین کام وہ ہیں جو (اللہ کے دین میں) کمی طرف سے کالے جائیں، دین میں ہر یہاں کام بہرعت ہے اور ہر بہرعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام ہبھم کی آگ ہے۔

”اے ایمان والوں اللہ سے ذریحوں کا اس سے درست کا حق ہے اور ہبھیں موت نہ ائے گر اس حال میں کتم مسلمان ہو۔“

”اے لوگوں اپنے رب سے ذریحوں نے ہبھیں ایک جان سے بیدا کیا اور (ہبھ) اس جان سے اس کی بیدا کیا کو بھایا اور (ہبھ) ان دنلوں سے بہت سے مرد اور حوریں بیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ذرستہ ہو اور ہبھ کے ذریعے (ہبھ کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور ہبھوں (کو قلع کرنے) سے ذرہ (بچھ)۔ بے شک اللہ تھماری گمراہی کر رہا ہے۔“

”اے ایمان والوں اللہ سے ذردا اور لیکن بات کو جو حکم (سیدھی اور پیچی) ہو، اللہ تھمارے اعمال کی اصلاح اور تھمارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور جس مخفی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یہی کامیابی حاصل کی۔“



فہرست

15.....	﴿عرض ناشر﴾
17.....	﴿تقدیم﴾
19.....	﴿جب میں کعبہ میں بیٹھا تھا..... !!﴾
	باب اول

”مزارات“، رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

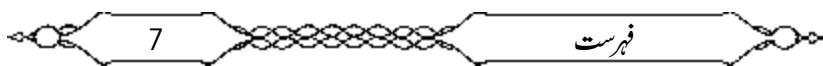
22.....	﴿مزارات رسول اللہ ﷺ کی نظر میں
23.....	﴿اچھی بات کو متکبر ہی ٹھکراتا ہے
24.....	﴿اچھی بات کو مومن ہی مانتا ہے
25.....	﴿کائنات کی سب سے قیمتی دولت
27.....	﴿شیطان کا ڈاکا اور قوم نوح کے ”پخ تن“
28.....	﴿ابیسی ڈاکے کا ایک اور انداز، منظم خانقاہی نظام کا نفاذ
31.....	﴿آستانے قرآن کے آئینہ میں
33.....	﴿پھری اور کاغذی تصویریں

33.....	✿ کاغذی بتوں کی پرستش
35.....	✿ قبر پرستی کے نئے نئے انداز
37.....	✿ قبر پرستی کے مقامات پر اللہ کی عبادت
39.....	✿ مشرک کا الیہ
41.....	✿ پختہ قبر انسانیت کے منافی فعل ہے
42.....	✿ صدر پاکستان کو ایک اہم دینی مشورہ
43.....	✿ کسی بزرگ کی قبر کو قبرستان سے الگ بنانا، شرک کے قدم جانے کے متادف ہے
45.....	✿ آخرت کی یادیں، کہاں؟ مزاروں پر یا قبرستانوں میں؟
48.....	✿ کیا یہاں آخرت کی یاد آسکتی ہے؟
51.....	✿ بیت اللہ کے ساتھ مجاز آرائی
51.....	✿ جب سلطان عبدالعزیز کے جواب نے قبوں کا کباب بنادیا
52.....	✿ آخری لمحات میں رسول ﷺ کی وصیت
53.....	✿ ”قیامت“ قبر پرستوں پر قائم ہوگی

باب دوم

ہجوری مزار سے الہی دربار تک

56.....	✿ ایک ایسے کردار کی تھی داستان جو بھی حیات ہے
58.....	✿ داتا دربار کی طرف روکنی کیسے ہوئی؟
59.....	✿ دربار پر حاضری
60.....	✿ حضرت کے ذکر کی تپش



61	✿ رہبانیت کی انتہا
61	✿ حضرت معین الدین چشتی اور ایک فاحشہ عورت
63	✿ جب تک داتا قبر سے نکل کر بغل گیر نہ ہو گا
64	✿ منزل کی قربت کا اشارہ ہوا مگر ابھی تو وہ بہت دور تھی
65	✿ ابھی جھاڑو دینے اور حضرت کا تھوک کھانے کی منزلیں باقی تھیں
67	✿ بابا جی کے احکامات
68	✿ پہلا حکم مجھے غسل دو
68	✿ دوسرا حکم بیوں کا بچہ بیوں والی سرکار کے پاس چھوڑ کر آؤ
70	✿ تیسرا حکم میرا فضلہ اٹھاؤ
71	✿ عجیب ترک
73	✿ چوتھا حکم بھکاری بن کر بھیک مانگو
74	✿ آخر کار مایوس کن جگہ سے مایوس ہی لوٹا پڑا
76	✿ آہ! لوگ میری پستی کو ولایت کی معراج سمجھ بیٹھے
77	✿ مایوسی کے بعد امید کی کرن
78	✿ اصلی داتا دربار کی تغیری

باب سوم

عیسائیوں اور مسلمانوں کی نعمتیں

82	✿ حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہم کو "اللہ بنانے کی ایک جیسی کوششیں
82	✿ جادو سروں کا چھا گیا

83.....	﴿آدمونج منایے﴾
84.....	﴿تجھے جب بھی پکارا﴾
84.....	﴿عیسائیت کا پیغام مسلمان فنکاروں کے ذریعہ﴾
88.....	﴿مسلمانوں کی نعمتوں کے چند نمونے﴾
92.....	﴿”گن“ تے کل دی گل اے﴾
94.....	﴿عیسائیوں کی ”گن“﴾
95.....	﴿عابدہ خانم کی نعمت﴾
100.....	﴿عیسائی میلادیوں کا پختہ اعتماد، مسلم میلادیوں کا شکی خیال﴾
103.....	﴿میلادیوں کے عقائد سے مشابہ عیسائیوں کے چند نمائندہ اشعار﴾
103.....	﴿”کتا“ بننے میں تقدم و ترقی﴾
106.....	﴿کاش! مجھے کتنے کھا جاتے﴾
107.....	﴿روٹیوں، بوٹیوں، تھالیوں، کتوں اور گلھوں کو سلام﴾
108.....	﴿سلام﴾
110.....	﴿آئینہ حقیقت میں ایک نظر﴾
112.....	﴿کیا ہم نعمت کے خلاف ہیں؟﴾
114.....	﴿نعمت، جس سے رسول ﷺ نے منع کر دیا﴾
117.....	﴿قیامت کا منظر﴾

باب چہارم

مسلمانوں اور عیسائیوں کی میلادی عیدیں

121.....	﴿کرمس ڈے اور عید میلاد النبی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں﴾
----------	--

123	✿ جب میں چرچ میں پہنچا تو.....
124	✿ چرنی کیا ہے؟.....
125	✿ عید میلاد کی رسومات پادریوں کی نظر میں.....
125	✿ کریمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟.....
126	✿ ”کریمس ٹری“ کی بدعت کب اور کیسے شروع ہوئی؟.....
127	✿ جشن عید میلاد النبی ﷺ.....
127	✿ وفات کے دن جشن.....!!.....
129	✿ جشن میلاد النبی ﷺ کب اور کیسے شروع ہوا؟.....

باب پنجم

کلمہ توحید

141	✿ کلمہ ایمان کی اہمیت.....
142	✿ ”لا“ کا قرآنی مفہوم.....
143	✿ قانون الہی کے مخالف کی مخالفت.....
146	✿ قابل غور و فکر اور قابل عمل نکتہ.....
148	✿ مشرکوں نے پیغمبر اور اس کی مارکو ”اللہ“، بناڑا.....
149	✿ قوم نوح نے اولیائے کرام کو ”اللہ“ کا مرتبہ دے دیا.....
150	✿ قوم ابراہیم نے ”اصنام“ پتھر کی تصاویر کو اپنا ”اللہ“ بنا لیا.....
151	✿ لوگ ”اللہ“ کیوں بناتے ہیں.....
152	✿ خود ساختہ الہوں کی ٹھانٹھ بائٹھ اپنے مریدوں کی محتاج ہے.....
154	✿ عبادت کیا ہے؟.....
155	✿ بد نی عبادت اللہ کے لیے ہے.....

﴿ ذکر و دعا اور فریاد و نعرے سب زبانی عبادتیں ہیں 157	﴿
﴿ نذر و نیاز اور صدقات بھی مالی عبادات ہیں 160	﴿
﴿ نذر و نیاز اور ایصال ثواب کی رسومات میں شرک کی آمیزش 162	﴿
﴿ قرآن میں ”اللہ“ کے معانی داتا، دشگیر، غوث الاعظم، بھی ہیں 165	﴿
﴿ ایک شبہ کا زوال 166	﴿
﴿ اللہ ہی مشکل کشا ہے 167	﴿
﴿ اللہ ہی بڑی بنانے والا ہے 167	﴿
﴿ اللہ ہی غوث الاعظم ہے 168	﴿
﴿ اللہ ہی غریب نواز ہے 169	﴿
﴿ اللہ ہی داتا ہے 170	﴿
﴿ اللہ ہی کنج بخش ہے 170	﴿
﴿ اللہ ہی دشگیر ہے 171	﴿
﴿ بزرگوں کو القبابت کس نے دیے؟ 172	﴿
﴿ لا الہ الا اللہ کا تقاضا 173	﴿
﴿ کون ہے جو لا الہ الا اللہ کے تقاضوں پر لیک کہے؟ 173	﴿
﴿ الوبیت کے اختیارات کا دعویٰ کرنے والے کی سزا 175	﴿
﴿ اے انسان! اپنے پروردگار کو پہچان 177	﴿
﴿ جنت کی چابی لا الہ الا اللہ 180	﴿

باب ششم

نولکھ ہزاری کے مجاور کی کہانی

﴿ شرک کی دلدل میں چھنتے ایک گدی نشین کی دلچسپ آپ بیتی 184	﴿
---	---

185	✿ نوکھہ ہزاری کا مفہوم
186	✿ تعارف
187	✿ ایک دخراش واقع
188	✿ سرکار کے حالات زندگی اور چند کرامتیں
188	✿ نوکھہ ہزاری ڈنڈا
189	✿ سکھوں سے مشاہہت
190	✿ جب مرید قابل اعتراض حالت میں رنگ ہاتھوں پکڑے گئے!
190	✿ پیش اب سے نہانے کی برکتیں !!
191	✿ متبرک راکھ
191	✿ مشترکین مکہ کا عقیدہ
193	✿ میں کیسے تائب ہوا
194	✿ تقلید سے تحقیق کی طرف
196	✿ شیطان کا جاں
197	✿ گھر آنے پر مصیبتوں کے پھاڑٹوٹ پڑے
197	✿ میرا رسول
198	✿ کڑوی بات

باب ہفتم

اصلی داتا دربار کی تلاش میں !!

200	✿ داتا دربار کا تاریخ کے آئینہ میں ایک حقیقت پسندانہ جائزہ
201	✿ اصلی داتا دربار
203	✿ علی بھجویری کی قبر شاہی قلعہ میں ہے، بھائی چوک میں نہیں !!

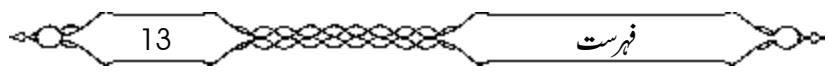
208	﴿ دو لہے کی قبر پر !! ﴾
209	﴿ قوامی ہاؤس کا منظر ﴾
211	﴿ نقلی دربار کی طرف ﴾
212	﴿ خزانوں کا مالک ﴾
213	﴿ قبروں کے مجاور ﴾
214	﴿ شاہ ایران، ذوالفقار علی بھٹو اور سونے کا گیٹ ﴾

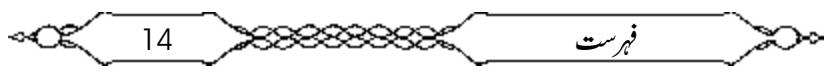
باب ہشتم

مسلمانوں کے ”ولی“، عیسائیوں کے ”سینٹ“

218	﴿ مسلمانوں کے ”ولی“، عیسائیوں کے ”سینٹ“ ﴾
220	﴿ پیر بغداد والے اور حضرت حسین <small>رض</small> کی تصاویر ﴾
224	﴿ عیسائی راہبوں کی عجیب و غریب باتیں ﴾
224	﴿ پہلی خصوصیت سے متعلق ﴾
226	﴿ دوسرے عجوبے سے متعلق ﴾
227	﴿ فقر کے پردے میں دنیا پرستی ﴾
228	﴿ فطرت کے خلاف جنگ کا نتیجہ ﴾







عرض ناشر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ
الْمُرْسَلِينَ. أَمَّا بَعْدُ !

”شہراہ بعشت“ مولانا امیر حمزہ حَفَظَ اللَّهُ عَنْهُ ذِكْرَهُ کی کتاب ہے، قبر پرستی اور تصوف کے نتیجے میں پھیلنے والا شرک اس کا موضوع ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو امت مسلمہ کے وجود کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار انبیاء کو کفر و شرک کے خاتمہ اور توحید کے غلبہ کے لیے مبعوث فرمایا۔ سب سے آخر میں پیغمبر آخرا زماں عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ تشریف لائے، آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی کا حاصل بھی یہی ایک مسئلہ تھا۔ آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ نے مسئلہ توحید کی خاطر بڑی سے بڑی تکالیف برداشت کیں لیکن زندگی کے آخری سانس تک ائمۃ الکفر سے برس پیکار رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ کی مدد فرمائی، مدد فتح ہوا، حرم بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے بت ٹوٹے اور سرزی میں عرب سے بت پرستی اور شرک کا خاتمہ ہوا۔

”شہراہ بعشت“ میں مولانا امیر حمزہ حَفَظَ اللَّهُ عَنْهُ ذِكْرَهُ نے کتاب و سنت کی روشنی میں عصر حاضر میں مسلمانوں کے اندر سرایت کرنے والے اس بدترین عمل پر ضرب کاری لگائی ہے اور توحید کو دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی کلید بتایا ہے۔

کتاب اپنے دلائل و براہین اور انداز تحریر کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، ہر فرد تک پہنچایا جائے تاکہ کفر و شرک کے انہیہرے چھٹ جائیں اور توحید و سنت کا نور دنیا میں عام ہو جائے۔

امیر حمزہ صلی اللہ علیہ وس علیہ الرحمۃ الرحمیۃ کی اس عظیم کاوش کو ”دارالاَندلس“ نے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس کی تہذیب و تسلیل بھائی محمد اشتبیاق اصغر اور بھائی محمد یوسف سراج نے کی ہے اور کپوزنگ بھائی عبدالحکیم اور اجمل طور نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں کی محنت کو قبول فرمائے اور انھیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھتے ہوئے شہادت کی موت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

محمد سیف اللہ خالد

مدیر ”دارالاَندلس“

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

تقدیم

پروفیسر حافظ محمد سعید حفظہ اللہ

بر صغیر کا مذہبی مزان صوفیانہ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں مزار اور قبر پرستی کو ”تصوف“ کے نام پر بہت فروغ ملا ہے۔ لوگ بڑے اخلاص سے اولیاء و صلحاء کی قبروں پر نذر و نیاز دیتے ہیں اور بڑے بڑے میلے اور عرس یہاں کی مذہبی ثقافت بن چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں ہندو اسلام کے سائے بہت گہرے ہیں اور یہاں کے وہ لوگ جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے، وہ رسم و رواج اور مذہب کے معاملے میں بھی ہندو ہی کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے ان چیزوں کو ان کے لیے اس قدر مزین اور خوبصورت کر کے پیش کیا ہے کہ وہ انہی رسماں اور بدعنوں کو دین سمجھنے لگے ہیں۔ اس پر مستزد یہ کہ مولویوں نے بدعات کو مساجد و مدارس سے پیش کر کے انھیں سند جو از بھی مہیا کر دی ہے۔ غرض اسلام شرک و بدعت کی جس وبا کو ختم کرنے آیا تھا، اب وہی وبا اسلام کا لبادہ اور ٹھیک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر پیری مریدی کی وبا میں بے شمار لوگ اپنا ایمان، مال اور عزتیں تک برباد کرا رہے ہیں۔ واضح ہے کہ ایسے معاشرے میں توحید کی دعوت اور سنت کے احیا کی کس قدر ضرورت اور محنت درکار ہے۔ مگر..... افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس وقت توحید کے داعی اور سنت کے علمبردار بھی جمہوری سیاسی محنت میں اس قدر مگن ہیں اور ممبری کے حصول کی جدوجہد میں اس حد تک کوشش ہیں کہ وہ پیغمبرانہ دعوت کو یا تو بھول چکے

ہیں یا پھر سیاسی مجبوریوں نے ان کی زبانیں بند کر رکھی ہیں اور ان کے قلم روک رکھے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ شرک و بدعت کے خلاف بولنے یا لکھنے سے کہیں ہماری سیاسی ساکھ کو نقصان نہ پہنچے، جو ان کے خیال کے مطابق اسلام کے دفاع کے لیے ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ شرک و بدعت کی مخالفت سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے تو اس پر خاموشی اسلام کے لیے کس طرح مفید ہے!!

زیرنظر کتاب ”شہراہ بہشت“ بھی انقلابی داعیانہ مضامین پر مشتمل ہے، جن کا اسلوب ثقیل علمی اور تحقیقی رنگ کی بجائے دوستی رنگ اپنائے ہوئے ہے اور اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو ہمارے معاشرے کے موجودہ حالات کے مطابق ہے۔ مولانا امیر حمزہ صاحب نے ان مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کر کے توحید کی طرف دعوت دینے کا جذبہ رکھنے والے عام لوگوں کے لیے بھی موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ اس کتاب کا خود مطالعہ کریں اور اسے زیادہ پھیلا کر کارروان توحید میں اضافہ کریں تاکہ اللہ کے ہاں اجر و ثواب پائیں۔



جب میں کعبہ میں بیٹھا تھا.....!!

معزز قارئین! یہ کتاب سات مضمایں کا مجموعہ ہے۔ اس کا موضوع توحید کی دعوت اور شرک و بدعت سے آگاہی ہے۔ اہل توحید کہ جن کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کی مخلوق کو شاہراہ بہشت پر چلانے کا داعیانہ اور پیغمبرانہ جذبہ موجز ہے، ان سے میری گزارش ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کرنے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کریں تاکہ بھولی بھکلی انسانیت را راست پر آجائے..... ذرا غور کریں اصحاب شرک شرکیہ نذریں مان کر درباروں پر لاکھوں کروڑوں روپیہ بر باد کرتے ہیں، کیا اہل توحید اللہ کی محبت میں ایسے دعویٰ مضمایں کو چھپوانے کی نذریں نہیں مان سکتے کہ جنہیں درباروں پر تقسیم کر کے لوگوں کو حقائق سے آگاہ کیا جائے؟ محمد اللہ اس کتاب کے گیارہ کے قریب ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بے شمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے نور سے منور فرمایا۔ بیت اللہ میں بیٹھے مجھے انڈین بھائیوں نے بتالیا کہ کتنے ہی لوگ اس کتاب کو پڑھ کر زیور ایمان سے آراستہ ہوئے اور انڈیا میں اس کتاب کی فوٹو کا پیاس کرا کے تقسیم کی گئیں۔ محمد اللہ موجودہ ایڈیشن میں

تین نے مضمایں کا اضافہ کر دیا گیا ہے، ضعیف احادیث نکال کر صحیح احادیث لائی گئی ہیں۔ زیرِ نظر ایڈیشن کو تین نے مضمایں کے اضافوں کے علاوہ بھی بعض اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے..... دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن سے وہ راضی ہو۔ (آمین!)

امیر حمزہ

نومبر ۱۹۹۸ء لاہور



باب نبرا

”مزارات“ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں میں سے ایک کان بھی ہے۔ آپ نے اب تک اس سے اربوں کھربوں باتیں سنی ہوں گی، مگر آج ہم آپ سے ایک بات سننے کی درخواست کرتے ہیں اور یہ بات ہماری نہیں بلکہ اس ذات کی بات ہے جس نے آپ کو کان جیسا آلہ عنایت فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ سننے کی قوت و دلیعت فرمائی ہے۔ تو ذرا سینے اپنے سمع و علیم رب کی بات:

فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِينَ يَتَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَسْمَعُونَ الْحَسَنَةَ أَوْ لِتَبَّأَكَ

الَّذِينَ هَدَ اللَّهُمَّ أَوْ لِتَبَّأَكَ هُمْ أَوْ نَا الْأَلْبَابُ (الثوبان: ۱۷-۱۸)

میرے پیغمبر! میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو بات غور سے سننے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کی رہنمائی اللہ نے کی ہے اور یہی صاحب عقل لوگ ہیں۔“

یعنی پہلی شرط غور سے سننا ہے اور پھر وہ اچھی بات ہو تو اس کو اختیار کر لینا عقلمندوں کی نشانی بٹالی گئی ہے، سیدھی راہ بھی انہی لوگوں کا حصہ ہے اور جنت کی خوشخبری یاں بھی ایسے لوگوں کے لیے ہیں۔ اب اچھے ذہن میں فوراً یہ بات آئے گی کہ اچھی بات کہاں سے ملے گی اور کس کی بات اچھی ہو گی؟ چنانچہ اچھا ذہن رکھنے والوں نے جب کائنات کی سب سے

بہترین کتاب قرآن کو کھولا تو اچھی بات کی فکر پیدا کرنے والے مالک نے خود بتلایا:

(انز المر: ۲۳)

اَللّٰهُ فَرَّبُ الْحَسَنِ الْخَيْرِيَّ

”اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی ہے۔“

اور پھر اچھی بات بتانے والے کی صفت بھی یوں بیان فرمادی:

وَمَنْ أَحْسَنْ فَهُوَ لَا يَمْنَ دَنَّا إِلَيْهِ أَلَّهُ

(سُورہ نسخہ: ۳۳)

”اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے۔“

لیکن اچھی بات تو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی ہے، نہ کہ اس شخص کی جو اپنی ذات کی طرف، اپنے کمالات کی طرف، اپنی برتری اور برادری کی طرف یا کسی شخص یا گروہ کی طرف دعوت دے۔

اب یہ اچھی بات جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کی صورت میں اپنے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا، اسے سورہ ”محمد“ میں اپنی طرف سے حق کا نام دیا اور پھر جو لوگ اس حق کو مان لیں، ان کے گناہوں کو مٹانے اور ان کے احوال کو درست کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اچھی بات کو متکبر ہی ٹھکراتا ہے:

اب جو لوگ اس حق کو سنبھل کر باوجود نہ مانیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا اظہار یوں فرمایا:

يَسْعِ إِيمَانَهُ سَخَّا عَيْنَهُمْ بِعِزْمِهِ مُسْتَكْبِرُ كَانَ لَهُ دِسْمَعٌ هُ فَيُبَرِّهُ بَعْدَ أَلْيَمْ

(الحادیث: ۱۸)

”اسے اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، وہ انھیں سنتا تو ہے لیکن پھر متکبر کرتے ہوئے اڑ جاتا ہے، جیسے اس نے انھیں سنا ہی نہیں (میرے رسول!) ایسے شخص کو

درد ناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔“

معلوم ہوا جو حق کو سننے کے باوجود اسے نہ مانے، وہ اللہ کے ہاں تکبر کرنے والا ہے۔
اب یہ تکبر کیا ہے؟ چنانچہ اس کے بارے جب اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی توضیح یوں فرمائی:

«ولَكِنَّ الْكِبِيرَ مِنْ بَطِرِ الْحَقَّ وَ غَمِطَ النَّاسَ»

(ابو داود، كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر: ٤٢٩ - مسند احمد: ٤٢٧)

”مکبر کرنے والا وہ ہے جو حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر جانے یعنی حق پیش کرنے والوں کو حقیر سمجھ کر حق کو ٹھکرا دینے والا ہی متنکر ہے۔“

اچھی بات کو مومن ہی مانتا ہے :

اس کے عکس جو لوگ حق کو سنتے ہی اسے پہچان کر اپنے اللہ کی طرف بے اختیار لپکتے اور دوڑتے ہیں اور تکبر کو قریب بھی نہیں پہنچنے دیتے، ذرا ان کی فطری کیفیت اور والہانہ حالت کو بھی ملاحظہ فرمائے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ الرَّسُولُ تَرَى أَعْيُنَهُمْ يَبْطِشُونَ فَيَقُولُونَ إِنَّهُ مِنْ أَنْذِرِنَا
عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ مَا يَعْلَمُونَ وَلَكُمْ أَعْلَمُ بِمَا تَنْهَا فَكُنْتُمْ مَعَ الشَّهِيدِينَ (٨٣)
(الثَّالِثَةَ: ٨٣)

”جو رسول ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے جب وہ اسے سنتے ہیں تو آپ ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں کہ حق کو پہچان جانے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو پلک پڑتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، ہمیں (حق کی) شہادت دنے والوں کے ساتھ لکھ لے۔“

اللہذی شان نے ان کی اس شان کو دوسرے مقام پر پوں بیان فرمایا:

إِنَّا يَوْمَنِ بَتَّيْتَنَا الَّذِينَ إِذَا دَسَّكُرُوا هُنَّا خَرُوا سَجَدَا وَسَبَحُوا

يَحْمِدُهُمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (السَّجْدَة: ٢٥)

”بلاشبہ ہماری آیات پر ایمان تو وہ لوگ لاتے ہیں کہ جب ان کو فیصلت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پور دگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبیر نہیں کرتے۔“

کائنات کی سب سے قیمتی دولت:

حق سننے اور دیکھنے کے بعد اگلا مرحلہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں انسان کا ذمہ شیطان اپنا پورا زور صرف کرتا ہے، ایمان لانے کی صورت میں مومن کو آنے والے مالی نقصانات سے ڈرata ہے، جان کو درپیش خطرات سے آگاہ کرتا ہے، اس کی موجودہ حیثیت و مقام اور مرتبہ کے جاتے رہنے کا اندازہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس قسم کے دوسرے حقیر اور فانی فائدوں کی فہرستیں اس کے سامنے پیش کرتا جاتا ہے اور ان کے بد لے اس دولت سے اسے دور رکھنے اور روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے جو اس ساری کائنات سے قیمتی دولت ہے اور وہ اتنی گراں اور قیمتی ہے کہ اس کی قیمت سے خود عرش والے رب نے اپنے رسول ﷺ کی امت کو آگاہ فرمادیا ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمادیا ہے تھے:

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو ساری کائنات کے سامنے لا میں گے اور اس کے سامنے نانوے رجڑ پھیلا دیے جائیں گے۔ ہر رجڑ اپنائے نظر تک پھیلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: ”کیا جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والے مخالفوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟“ وہ کہے گا: ”نہیں، اے میرے رب!“ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: ”تیرا کوئی عذر ہے؟“ کہے گا: ”نہیں، اے میرے رب!“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”کیونکہ (نہیں) تیری ایک نیکی

ہمارے پاس ہے اور تجویح پر آن ظلم نہیں ہو گا۔“ تو پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا انکا لا جائے گا، جس پر ”اَشَهَدُ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ اَشَهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ“ درج ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”ترازو کی طرف چلو۔“ وہ کہے گا: ”اے اللہ! یہ ٹکڑا اتنے بڑے رجسٹروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”ظلم نہیں ہو گا۔“

راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فُتُورَضُّعُ السِّجَلَاتُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجَلَاتِ وَ تَقْلُتِ الْبِطَاقَةُ وَ لَا يَقْلُلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ»

(ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت و هو یشهد ان لا اله الا الله : ۲۶۳۹ - مسندا حمد: ۲/۲۱۳)

”تمام رجسٹرازو کے ایک پلٹرے میں اور یہ کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلٹرے میں رکھ دیا جائے گا، رجسٹروں کا پلٹرہ ملکا ہو کر اور اٹھ جائے گا اور کلمے کے ٹکڑے والا پلٹرہ بھاری ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔“

اب جس نے شیطان کی تمام بندشوں کو پاش پاش کر کے بغیر کسی تاخیر کے ایمان کے مضبوط کرٹے کو تھام لیا، اس نے شیطان کو روتا ہوا چھوڑا اور کائنات کی سب سے قیمتی دولت کو پالیا۔

آدم کے بیٹے کا دشمن بھلا کب باز آنے والا تھا۔ وہ نئے نئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر بار بار حملہ آور ہوتا رہا، مگر جو اس دولت کو پا چکا تھا اور اس کی قدر جان چکا تھا، اس کی حلاوت اور مٹھاں کو چکھ چکا تھا، اس پر شیطان کا کوئی ایک وار بھی کارگر نہ ہو سکا۔ حضرت بلاں ﷺ جو اس شیرینی سے آشنا ہو چکا تھے احمد، احمد کا نعرہ بلند کرتے رہے، مگر شیطان کا نمائندہ امیہ امام کائنات ﷺ کے اس محبوب یار سے کائنات کی سب سے قیمتی دولت چھین نہ سکا۔

شیطان کا ڈاکا اور قوم نوح کے ”بیٹھ تن“ :

انسان کے دشمن شیطان نے ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی کی اور اس منصوبے کے مطابق وہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں پر حملہ آرہوا۔ یہ حملہ اس نے کس انداز سے کیا اس کی تفصیل مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہے۔ اس میں وہ قرآن کی سورہ نوح میں مذکور قوم نوح کے ”بیٹھ تن“، ”ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر“ کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یوہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے..... وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور اس پتھر کو ان کے نام سے پکارو، لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اگلے لوگ مر گئے اور علم ان سے جاتا رہا، تب ان کی اولاد نے ان کی یادگاروں کی عبادت شروع کر دی۔“

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ”ودا و سواعا و لا یغوث و یعوق: ۴۹۲۰“)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اکثر سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مر گئے تو پہلے یہ لوگ ان کی قبروں کے مجاور بنے، پھر ان کی تصاویر بنا لیں، پھر زمانہ دراز گزرنے پر ان کی عبادت کرنے لگے۔“

شیطان کے اس وار کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے آکر آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو شیطان کی چال سے باخبر کیا اور ایمان کی دولت کو پیش کیا۔ مگر اس قوم نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالمگیر طوفان بھیج کر قبروں کے ان مجاوروں اور پرستاروں کو ملیا میٹ کر دیا۔

ابليسی ڈاکے کا ایک اور انداز، منظوم خانقاہی نظام کا نفاذ:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جن گمراہ قوموں کا ذکر کیا ہے، ان کے حالات یہی بتاتے ہیں کہ ان میں سے شیطان نے جس قوم کو بھی گمراہ کیا..... زندہ اور مردہ بزرگوں کی پوچاپاٹ ہی سے گمراہ کیا اور بہکایا۔ یہ بات بھی قرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گمراہوں کی ہدایت کے لیے جس وقت، جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس نے اپنی قوم کو بزرگ پرستی کے اس شرکیہ راستے سے ہٹانے میں اپنی کوششوں کو صرف فرمایا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام بھی اپنے سے پہلے انبیاء کی طرح اپنی قوم یہود کو توحید کی طرف بلاتے رہے، مگرالمیہ یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خود وہ لوگ جو آپ علیہ السلام کو مان کر عیسائی کہلائے، انہوں نے آپ علیہ السلام پر نازل شریعت پر چلنے کے بجائے صوفیت ایجاد کر لی۔

ان کے اس فعل کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَرَهَبَانِيَةَ أَبَدَدُوْهُمَا كَنْتَهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا أَبْتَعَاهُمْ رَضُوْنِي أَنْتَهُمْ فَمَا

رَضُوْهَا حَقَّ بِرَعَيْتَهُمْ (٢٦: ٦٦)

”اور انہوں نے صوفیت کی بدعت ایجاد کر لی، ہم نے انھیں یہ حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں (خود ہی) ایسا کیا، پھر اسے نبائیں کا جو حق تھا وہ بھی ادا نہ کر سکے۔“

یاد رہے ان عیسائی صوفیوں کا مقصدرضاۓ الہی کی تلاش تھا، مگر اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ذریعہ بنانے کی بجائے اپنی طرف سے صوفیت (رہبانیت) کا طریقہ ایجاد کر لیا۔ یہ اصحاب طریقت تارک الدنیا اور درویش بن گئے، مگر ان کی ستم ظریغی ملاحظہ ہو کہ یہ لوگ اس کے بعد اپنی ایجاد کردہ صوفیت کا پاس بھی نہ کر سکے اور الٹا درویشی اور فقر کے روپ میں دنیا دار بن گئے اور مریدوں کی نذر و نیازوں

پر پلتے پلتے دولت کے حریص، بلکہ پچاری بن گئے۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کی خانقاہیں اور آستانے بے حیائی اور بدمعاشی کے اڈے بن گئے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ یہ اولیائے کرام بغیر سرمایہ لگائے اس نفع بخش خانقاہی کا روبار میں اتنی دور تک چلے گئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب کھف (غار) والے نوجوان موحدین کے ذریعے انھیں توحید کی طرف پلٹنے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا تو یہ لوگ بجائے عقیدہ توحید قبول کرنے کے الٹا شرک کی دلدل میں اور زیادہ ڈھنس گئے۔

ہدایت حاصل کرنے کا جو موقع ان صوفیوں نے ضائع کیا اور اس وقت انھوں نے جو طرز عمل اختیار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إِذَا يَتَكَبَّرُونَ بِنِعَمَنَا أَمْرَهُمْ فَقَاتُوا أَبْنَاءَنَا نَحْنُ عَلَيْهِمْ بِمِنْتَارِنَا بِحِلْمٍ أَعْلَمُ

بِهِمْ دَلَلَ الَّذِي عَلَى عَلَيْهِمْ نَتَحْذِدُ كَعَلَيْهِمْ مُتَحِذِّدًا نَبِيَّا

(النکھف: ۶۱)

”جب کہ وہ (عیسائی) آپس میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ان (غار والوں) کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا: ”ان پر ایک عمارت تعمیر کر دو، ان کا رب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔“ مگر جو لوگ ان کے معاملے پر غالب تھے، انھوں نے کہا: ”ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے۔“

یعنی انھیں نام نہاد روحانی کاروبار چکانے کے لیے ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا تھا اور پونے کے لیے اللہ کے چند نیک بندے مزید میسر آگئے تھے، جو اس غار میں گھری نیند سوچکے تھے۔ لوگو! یہ بات بھولنے نہ پائے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا، حضرت جنبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات پانے سے پانچ دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْسِيَاءَهُمْ وَ صَالِحِيَّهُمْ

مَسَاجِدَ إِلَّا فَلَا تَتَحِدُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَا كُمْ عَنْ ذَلِكَ»

(صحيح مسلم، کتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور واتخاذ الصور فيها الخ : ٥٣٢)

”خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا، خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا، میں تمھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔“

اللہ کے رسول ﷺ کے منع کرنے کے باوجود گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی آپ ﷺ کی امت کے جو لوگ قبر پرستی پر مبنی خانقاہی نظام کے شغل میں مشغول ہو جائیں گے، ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی بھی ملاحظہ ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَتَتَبَعَنَ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرَا شِبْرَا وَ ذِرَاعَا ذِرَاعَا حَتَّى لَوْ دَحَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبْعَثُمُوهُمْ، قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ فَمَنْ؟»

(صحيح بخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنۃ، باب قول النبي ﷺ لتبعدن سنن من كان قبلکم ٧٣٢٠ - صحيح مسلم، کتاب العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى: ٢٦٦٩)

”تم بہر صورت پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں جا داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔“ صحابہ کرام ﷺ نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! کیا یہودی اور عیسائی مراد ہیں؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”تو اور کون ہیں؟“

یہود و نصاریٰ کے طرز عمل کو ایک نظر دیکھیے کہ کیسے انہوں نے صوفیت ایجاد کی، خانقاہی

نظام بنایا اور نیک لوگوں کی قبریں پوچنے کو اپنا شعار اور امتیاز بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے سچے نبی ﷺ کی پیش گوئی صداقت کو بھی بغور دیکھتے جائیے کہ آج مسلمان کہلانے والی قوم نے کس طرح قرآن اور اپنے نبی ﷺ کی احادیث کو ایک طرف رکھ دیا اور صوفیت کی بدعت کو ایجاد کر دالا۔ پھر اس کے کئی سلسلے، قادریہ، سہروریہ، چشتیہ وغیرہ کی صورت میں ایجاد کیے اور ہر سلسلے کا دوسرے سلسلے سے جدا اور الگ طریق کار بنا یا گیا۔ مختلف سلسلوں کے مختلف بانی وجود میں آئے۔ پھر ان بانیوں کو پیران طریقت کا نام دیا گیا اور یہ سارا دھندا اور جاں اللہ کی رضا کی تلاش میں بنا یا گیا۔

پھر ان سلسلوں کے علمبردار مزارات کے مجاور اور گدی نشین بنے۔ باپ کے بعد بیٹے اور بیٹے کے بعد پوتے نے اپنی روحانی گدی کو حاصل کیا۔ پھر ان مزارات پر بیٹھنے والی اس روحانی فوج کی مالی حالت کو دیکھیں تو ان میں سے بعض کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں، محلات کے مالک ہیں اور ان کی شاہ خرچیاں امیر اور دولت مند ملکوں کے شہزادوں کو بھی مات کیے ہوئے ہیں اور جہاں تک ان کی اخلاقی حالت کا تعلق ہے وہ پوچھنے والی بات ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ روحانیت کے مرکز ہیں۔ ہاں! البتہ ان روحانی مرکز کی ”روحانی حرکتیں“ آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، جب کہ مزارات پر ان حرکات کا کھلے عام مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہیں عالم روحانیت اور صوفیت کے بادشاہ اور شہزادے جو اپنے سالانہ عرسوں (شادیوں) پر لاکھوں کروڑوں کی نیازیں وصول کر کے اپنے مریدوں کو روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرنے کے دعوے کرتے ہیں اور درحقیقت یہ ہیں وہ لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئی پر سو فیصد پورا اترتے ہیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی قبر پرستانہ آواز بازگشت کو اپنے ولیوں کے قبوں میں سناتے دکھائی دیتے ہیں۔

آستانے قرآن کے آئینہ میں:

آئیے! اب ذرا فرقان حمید میں ان آستانوں کا مقام تلاش کریں اور دیکھیں کہ اللہ کی

اس آخری کتاب نے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے، ان مزارات اور آستانوں کو کس نظر سے دیکھا ہے؟ تاکہ ہم بھی انھیں اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے انھیں قرآن نے دیکھا ہے:

حُرِّستَ حَلَيْكُمْ أَنْسِيَةُ وَالْمَدَمْ وَلَنْهُمْ الْخَزَنَرِ وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ يَدِهِ
وَالْمُتَحِفَّةُ وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمَهْرَدَةُ وَالْمُنْطَبِحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا
ذَكَرْنَا وَمَا ذَبَحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْقِيمُوا بِالْأَزْنَى وَذَلِكُمْ فَسْقٌ
(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) ۚ

”تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر مشہور کر دیا جائے حرام کر دیے گئے ہیں اور جو جانور گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاٹ کھایا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسم معلوم کرو، یہ سب گناہ کے کام ہیں۔“

یہ کل گیارہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور ان گیارہ چیزوں میں سے جو جانور کسی آستانے پر ذبح کیا جائے، اسے بھی حرام قرار دیا ہے، جب کہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ کی آیت (۹۰) میں آستانوں کے وجود ہی کو حرام کے الفاظ سے بھی بڑھ کر گندگی کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے اور پھر اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے اور مونوں کو خاص طور پر مخاطب کر کے اس گندے کام سے الگ رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور پھر الگ رہنے کی صورت میں کامیابی کی نوبت بھی سنائی ہے۔ اب اللہ عز و جل کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیے:

يَكْتُبُ اللَّذِينَ مَأْمَنُوا إِنَّمَا الْحَمْرَ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَرْنَمُ وَجَسْ وَمِنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ فَأَجْعَلَنِي وَعَنْكُمْ بَعْدَ مُنْتَهَى مُنْتَهَى (۹۰)

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تم کامرانی حاصل کرو۔“

اب اللہ کے اس فرمان کی روشنی میں تمام اقوام کے خانقاہی نظام کی حقیقت کو جانے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کر لیں اور موجودہ خانقاہوں اور آستانوں کو بھی دیکھ لیں۔ یہاں جو ہونے والی بھیڑ میں عقیدے کا گند نظر آئے گا۔ عقیدے کے گند کے ساتھ ساتھ ہمیں جسم کے گند کے آثار اور مظاہر بھی دیکھنے کو ملیں گے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جس کام کی ابتداء شیطان کرنے والا ہو اور جس کام کو عرش والا شیطانی کام کا نام دے، بھلاس میں سوائے گند اور بدبو کے اور ہو بھی کیا سکتا ہے!

پھری اور کاغذی تصویریں:

آپ ملا جھے فرمائے کہ نوح ﷺ کی قوم میں شرک شروع ہوا تو بزرگوں کی تصویروں سے شروع ہوا۔ ابراہیم ﷺ کی دعوت توحید کے آڑے آنے والی یہی بزرگوں کی تصویریں ہی تھیں، خود رسول اللہ ﷺ کا سامنا ہوا تو بیت اللہ میں رکھی ہوئی بزرگوں کی انہی تصویروں سے ہوا حتیٰ کہ ان میں حضرت ابراہیم ﷺ اور اسماعیل ﷺ کی تصویریں بھی تھیں۔ چنانچہ جس طرح ابراہیم ﷺ نے اپنے زمانے میں بزرگوں کی تصاویر کا سنتیا ناس کیا تھا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے جد امجد خلیل اللہ اور ذیح اللہ ﷺ کی تصویروں سمیت تمام بزرگوں کی تصویروں کو برباد کیا۔

کاغذی بتوں کی پرستش:

یہ تصویریں بنانے، سجائے اور لگانے والے اور پھر ان کی عبادت کرنے والے تو تھے کفار اور مشرکین، مگر آج اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کی حالت بھی ان سے مختلف دکھائی نہیں دیتی۔ مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

یہ ایران کے شیعہ ہیں، اپنے آپ کو اسلامی انقلاب کے داعی کہلاتے ہیں، ان کا راہبر

خینی جو کہ ۵ مئی ۱۹۹۰ء کو دنیا سے کوچ کر چکا ہے، یہ اس کی ہدایت پر اس کی تصویریوں کو سینے سے چمٹائے، گلے سے لگائے، بیت اللہ میں گھنسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سعودی عرب کے موحد لوگ اس توحید کے مرکز کعبہ کو جسے اللہ کے رسول ﷺ نے تصویریوں سے پاک کیا تھا، بھلان تصویریوں کو کیونگر گھنسنے دیں گے! مگر یہ ہیں کہ اللہ کے پاک گھر کو کاغذی بتوں کی آلوگیوں سے آلودہ کرنے سے باز نہیں آ رہے۔

اسی طرح ہمارے ملک پاکستان میں یہ شیخ عبدالقدار جیلانی کی تصویر ہے۔ مشرکوں کے عقیدہ کے مطابق بارہ سال پہلے ڈوب جانے والی کشتنی کے نیچے ہاتھ دے کر اسے ساحل پر لگا رہے ہیں۔ اب یہ ان کی مشکل کشانی کو ظاہر کرنے والا کاغذی بت دکانوں پر بکتا ہے اور گھروں میں لٹکایا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ ایک اور بزرگ کی تصویر ہے، اس کا سارا جسم نگ دھر گنگ ہے۔ صرف ایک معمولی سی لنگوٹی پہنے ہوئے ہے اور جانوروں میں گھرا ہوا ہے۔ کئی تصویریوں میں بزرگ شیروں پر سوار دکھانی دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے مزارات کی تصاویر بھی دکھانی دیتی ہیں۔

اچھا! تو اب کئی توحید کا نعرہ لگانے والے اور اقامت دین کا پرچم بلند کرنے والے بھی شیطان کے اس تصویری جاں میں بڑی طرح پھنسے دکھانی دے رہے ہیں۔ وہ اپنے بڑوں اور شہیدوں کی تصاویر کو گھروں کی زینت بنائے بیٹھے ہیں۔ ان کا غذی بتوں کو رنگین چھپوا کر اپنے جلوسوں میں فروخت کر کے طریق آزری کو تقویت دے رہے ہیں۔ اس باطل فعل کے ساتھ حق کے کچھ کلمات لکھ کر حق و باطل کی ملاوٹ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ باطل اس وقت تک پہنچنے سکتا جب تک اسے حق کا کچھ سہارا نہ دیا جائے۔

یہ کن لوگوں کے لچھن ہیں جو اس امت نے اختیار کر لیے ہیں اور جن لوگوں نے یہ اختیار کیے تھے انہیں اسلام کس نام سے یاد کرتا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زبان

سے سنیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ أَمَّ حَبِيبَةَ وَأَمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَاهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَوْلِئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَا تَبَنَّوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ فَأَوْلِئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب هل تبینش قبور مشرکی الجahلیyah..... الخ :

٤٢٧ - مسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب النہی عن بناء

المسجد على القبور (٥٢٨):

”ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے جسھے میں عیسائیوں کا گردابیکھا، جس میں تصویریں آؤیں اتھیں، تو انھوں نے اس کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دیتے اور پھر اس میں اس شخص کی تصویریں لٹکا دیتے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔“

قبر پرستی کے نئے نئے انداز:

شیعہ حضرات ہر سال تعزیہ نکالتے ہیں۔ اس تعزیہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کاغذوں سے تیار کردہ مصنوعی مزار بناتے ہیں اور اپنے جلوس میں ”یا حسین“، کاشر کیہ نعرہ بلند کرتے ہوئے اسے اٹھائے پھرتے ہیں۔ اس پر چڑھاوے اور نذر و نیاز نچحاو کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ دوسرے قبر پرست اپنے بزرگوں کے شاندار مزارات کی تصاویر کو اپنے گھروں کی زینت بنائے ہوئے ہیں۔ یعنی قبر پرستی کی یہ مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں جو رواج پا چکی ہیں اور قبر پرستی کے یہ مختلف مظاہر ہیں جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ”وَنَ“ کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب سے اپنی قبر کو ”وَن“ (بت، عبادت کی جگہ) نہ بننے دینے کی یوں دعا مانگی:

«اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنَا يُعْبَدُ إِشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّحَذُوا
قُبُورَ أَنْبِيَاءِ هُمْ مَسَا جَدَ»

(مؤطراً امام مالک، کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر، باب جامع الصلوٰۃ: ۸۵)

”اے اللہ! میری قبر کو وَن نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بناتی ہے۔“
چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ ﷺ کی قبر کو عرس، میلے، طواف، چڑھاوے اور نذر و نیاز وغیرہ سے محفوظ رکھ کر وَن بننے سے بچا لیا۔

علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ پھو گے جو مل جائیں صنم پھر کے

مگر اب لوگوں کے شرکیہ ذہنوں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کر لیا ہے، جائے نماز پر مسجد نبوی کی تصویر بنادی جاتی ہے اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس قسم کی تصاویر مسجدوں اور گھروں میں بھی آؤیزاں نظر آتی ہیں۔ بہر حال یہ فعل اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے اور جیسے شیعوں کے کاغذی تقریے کی تصویر اور دیگر بزرگوں کے مزارات کی تصویریں قبر پرستی کی علامت ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی قبر کی تصویر کو یوں جائے نماز کی زینت بنانا اور گھروں میں لٹکانا بھی قبر پرستانہ فعل ہے کہ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اب ایرانی شیعوں نے تو خمینی کا مزار کعبہ کے مشابہ بناؤالا ہے۔ (نَعْوَذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ)

قبر پرستی کے مقامات پر اللہ کی عبادت:

ہمیں معلوم ہے کہ ہماری مندرجہ بالا بات بعض لوگوں کو ناگوار گز رے گی، مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں قبر پرستی کے عقیدے یا فعل کا معمولی سا شک و شبہ بھی ہو سکتا تھا، آپ ﷺ نے پیشگی حفاظت کے طور پر اس مقام، عقیدے یا فعل سے انتہائی سختی کے ساتھ اپنی امت کو دور کر دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابو داؤد کی صحیح حدیث ملا حظہ فرمائیں، حضرت ثابت بن ضحاک رض فرماتے ہیں:

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْحَرِ إِبْلًا بِبُوَانَةَ فَاتَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبْلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَئِنْ مِنْ أَوْثَانِ الْحَاحِلِيَّةِ يُعْبُدُ؟ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا لَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ»

(سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذر، باب ما یؤمر به من الوفاء بالنذر: ۳۳۱۳)

”ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ نامی مقام پر جا کر چند اونٹ نحر کرے گا، وہ شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ”میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ اونٹ نحر کروں۔“ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟“ صحابہ رض نے کہا: ”نہیں! آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ”کیا وہاں ان مشرکوں کے میلیوں میں سے کوئی میلہ (عرس) لگتا تھا؟“ صحابہ رض نے کہا: ”نہیں!“ تب آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نذر کو پورا کر لے۔“

آپ نے ملا حظہ کیا کہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ ان مقامات پر اللہ کی خالص عبادت سے بھی منع فرماتے نظر آ رہے ہیں کہ جہاں پہلے کبھی شرک ہوتا رہا ہے اور یہ احتیاط اس لیے روا کرھی گئی ہے تاکہ اللہ کی عبادت کا معاملہ خلط ملط اور شرک کے ساتھ گلڈ مذہنہ ہو جائے اور نہ

شرک کے ساتھ کسی قسم کی ایسی مشابہت ہو جو لوگوں کے لیے کسی غلط فہمی کا سبب بنے۔
اب جب کہ ایسی معمولی سی مشابہت بھی اللہ کے رسول ﷺ کو گوارا نہیں تو جہاں واضح
شرک ہو رہا ہو..... وہاں اللہ کی عبادت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے؟ آخرت کی سوچ رکھنے
والوں کے لیے یہ بات انتہائی غور و فکر کی مقاضی ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ ”وَثَنْ“ کے لفظ میں عرس اور میلہ بھی
شامل ہے مگر چونکہ میلہ مشرکوں کا بڑا دل پسند اور محبوب مشغله ہے، لہذا اللہ کے پیارے
رسول ﷺ نے ”وَثَنْ“ کے علاوہ بطور خاص میلے کے بارے بھی پوچھا۔ پچھی بات تو یہ ہے کہ
مکرات اور فواحشات کو پھیلانے والی یہ وہ انتہائی فتح حرکت ہے کہ جس سے رسول اللہ
ﷺ کی پاک اور نقیس طبیعت کو انتہائی نفرت تھی، اسی لیے تو آپ ﷺ نے اپنی امت کو واضح
طور پر اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَتَحَدُّوْا قَبْرِيْ عِيْدَا»

(مسند احمد: ۲/۳۶۷)

”میری قبر پر عرس (میلہ) نہ لگانا۔“

پھر دیگر لوگوں کی قبروں کے بارے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا»

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلوة
علیہ: ۹۷۲)

”قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر سجادہ نشین بن کر بیٹھ
جاو۔“

اور یہ سجادہ نشینی اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے سن
لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَأَنَّ يَجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحِرِّقَ ثِيَابَهُ فَتُخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ»

خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَجْلِسَ عَلَى قَبْرٍ

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النہی عن الجلوس علی القبر والصلوة

علیہ: ۹۷۱)

”اگر تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلا دے، پھر اس کے بدن کو جا لے گے تو یہ (آگ) اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر سجادہ نشین بنے۔“

مشرک کا الیہ:

شرک کرنے والے کا الیہ یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی باقی چیزیں دیکھی اور چھوٹی جاتی ہیں اسی طرح وہ اپنے معبود کو دیکھنا اور چھونا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ مزارات پر جاگرتا ہے۔ اب جو مزار جتنا زیادہ خوبصورت اور چمک دمک والا ہوگا، وہ قبر پر پستا نہ ہوں کے لوگوں سے اتنا ہی زیادہ آباد اور پر رونق ہوگا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان مقابر کو سجائے اور چکانے دمکانے کی جتنی کاریگیریاں ہو سکتی تھیں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل اور فرمان سے ان سب کو جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا تاکہ ”نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحَصَّصَ الْقُبْرُ وَ أَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَ أَنْ يُدَبَّرَ عَلَيْهِ»

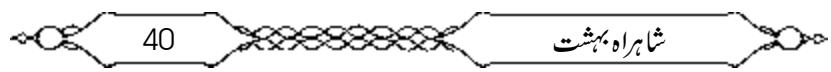
(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النہی عن تھصیص القبر والبناء علیہ: ۹۷۰)

”اللہ کے رسول ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی کہ اس پر مجاور بن کر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت تعمیر کی جائے۔“

ایک حدیث میں ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمْكَبَ عَلَى الْقَبْرِ شُعُّهُ»

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی النہی عن البناء علی القبور: ۱۵۶۳)



”رسول اللہ ﷺ نے قبر پر کچھ بھی لکھنے سے منع فرمایا ہے۔“
سنن نسائی کی حدیث میں ہے:

«نَهَىَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَيِّنَ عَلَى الْقَبْرِ أَوْ يُزَادَ عَلَيْهِ»

”رسول اللہ ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے اور زائد مٹی ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔“
اسی طرح سنن بیہقی کی روایت میں ہے:

«وَ لَا يُزَادُ عَلَى حَفِيرَتِهِ التُّرَابُ»

(سنن الکبری مع الحواہر النقی، کتاب الجنائز، باب لا يزد فی القبر علی اکثر من ترابہ لثلا برتفع جدًا: ٤١٠/٣)

”قبر پر (اس مٹی کے علاوہ) زیادہ مٹی نہ ڈالی جائے۔“

پختہ قبر انسانیت کے منافی فعل ہے:

کچھ عرصہ ہوا کہ چین کے بارے خبر آئی تھی اور پھر ۲۹ جون کو ”نوائے وقت“ میں کوریا کے بارے خبر تھی کہ وہاں جگہ کی کمی کے باعث لوگوں نے مردوں کو دفنانے کی بجائے جلانا شروع کر دیا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال اب ہمارے ہاں کے بڑے شہروں میں بھی رونما ہو چکی ہے، جہاں قبروں کے حصول کے لیے دشواریاں پیش آ رہی ہیں اور بعض جگہوں پر تو اچھے خاصے پسیے خرچ کرنے کے بعد قبر کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ کپی قبروں کا چلن عام ہے۔ آبادی کے اعتبار سے قبرستانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، لہذا مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

لیکن اگر سنت رسول ﷺ کے مطابق تمام قبریں کچی بنائی جائیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود ہی پہلی قبریں مٹی چلی جائیں۔ قیامت کے روز ایک ایک قبر سے ستر ستر آوازیں آنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبروں پر قبریں بنتی چلی جائیں۔ اس طرح مشکلات

پیش نہ آئیں اور فضول خرچی کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ شریعت کی مخالفت بھی نہ ہو۔ ایک قابل غور حقیقت یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبویاء تشریف لائے ہیں۔ اب ان میں سے جن نبیوں کی قبریں معلوم ہیں ان کی تعداد، بیشکل پندرہ بیس کے قریب ہوگی۔ اب اگر قبروں کا باقی رہنا ہی ضروری ہوتا تو تمام اولاد آدم سے افضل انبویاء کی قبریں باقی اور محفوظ و مامون ہوتیں، مگر ایسا نہیں ہے، تو اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ قبروں کو دیر پا بانا اور ان کی حفاظت و نگہبانی کرتے ہوئے ان کی مجاوری کرنا، اس کی دین اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ اس شریعت کے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے، صریحاً خلاف ہے اور یہ ایک غیر فطری شغل ہے، جس میں غیر فطری نظریات کے حامل لوگ مشغول ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس غیر شرعی فعل کے ساتھ کون سارو یہ اپنایا، مسلم شریف کی حدیث سنی، حضرت ابوالہیاج اسدی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علیؓ نے فرمایا:

«أَلَا أَبْعُثُكَ عَلَىٰ مَا بَعَثْتُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعُ تِمَثَالًا إِلَّا طَمَسْتُهُ وَ لَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ»

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الأمر بتسویة القبر: ۹۷۹)

”کیا میں تجھے اس مشن پر روانہ نہ کروں جس پر مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے روانہ فرمایا تھا؟ وہ مشن یہ ہے کہ کسی تصویر کونہ چھوڑ مگر اسے مٹا دے اور نہ کسی اوپری قبر ہی کو چھوڑ مگر اسے برابر کر دے۔“

صدر پاکستان کو ایک اہم دینی مشورہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلیفہ ہونے کے باوجود اپنے کفن کے لیے پرانی چادر کا انتخاب کیا اور جب ان کی بیٹی نے نئے کپڑے کے کفن کی بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

”نئے کپڑوں کی زندوں کو زیادہ ضرورت ہے، لہذا مجھے یہ پرانا ہی بہتر ہے۔“ چنانچہ آج

بھی پاکستان میں اگر تمام مزارات اور پختہ قبروں کے سنگ مرمر اور وہاں لگا ہوا سونا چاندی اور اینٹوں کو اکھاڑ کر زندہ لوگوں کے کام لایا جائے تو لاکھوں بے گھر غریبوں کے مکان پختہ بن سکتے ہیں اور نئے فوت ہونے والے لوگوں کے لیے قبروں کے حصوں میں مشکلات کا مسئلہ بھی آسانی حل ہو سکتا ہے اور پھر جو خوش نصیب یہ دینی کارنامہ سرانجام دیں گے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی مخلوق میں مقبول اور ہر لمعزیز ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ کام دینی بھی ہے اور رفاهی بھی۔ لہذا صدر پاکستان اور دیگر رفاهی اداروں کو یہ احسن کام بجالانے کے لیے سبقت کرنی چاہیے۔

کسی بزرگ کی قبر کو قبرستان سے الگ بنانا، شرک کے قدم جمانے کے مترادف ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کسی حضرت یا بزرگ کی قبر کو مسلمانوں کے عام قبرستان سے الگ بنانے سے ہی وہ قبر غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے اور پھر وہ شرک کے شاہکار کی شکل میں متشکل ہو جاتی ہے۔ اب ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جن کا الگ قبر بنانے کا مقصد ہی یہی کھیل کھیانا ہوتا ہے جب کہ دوسرے کچھ وہ لوگ ہیں کہ جو دعویٰ دار تو توحید کے یہی مگر اس قسم کے انعال کر بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ جماعت اسلامی والوں نے مولانا مودودی کی قبر کو پہلے منصورہ میں بنانے کی کوشش کی، مگر پھر ان کے گھر والوں کے اصرار پر مولانا کو ان کے گھر ہی میں دفن کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض اہل حدیث حضرات نے امیرالمجاہدین مولانا عبداللہ بڈھیمالوی کے مدرسے میں دفن کر دیا۔

اب اگر انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ قبرستان میں دفن کرنے سے کہیں ان کی پوجانہ شروع ہو جائے، تو حقیقت یہ ہے کہ جو اندیشہ قبرستان میں دفن کرنے سے انھیں لاحق ہوا ہے، وہ قبرستان کی نسبت الگ طور پر دفن کرنے سے کہیں زیادہ ہے اور پھر اگر اس غیر مناسب اندیشے کے پیش نظر بزرگوں کی قبروں کو الگ بنانا شروع کر دیا جائے تو ذرا سوچیے کہ کیا یہ ساری دنیا قبرستان نہ بن جائے گی؟ اور اب مولانا عبداللہ بڈھیمالوی کو بھی عام قبرستان سے

الگ دفن کر کے ان کی قبر کو منفرد بنا دیا گیا ہے۔

یہ غلط روایت جس کی ابتدا توحید کے نام لیواں سے ہوئی ہے، اس سے لوگوں نے دلیلیں پکڑنا شروع کر دی ہیں۔ ابھی چند سال قبل ایک مدرسہ کے بانی نے کہ جو نئے نئے اہل حدیث ہوئے ہیں، اپنے مدرسے میں قبر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جب انھیں اس سے روکا گیا تو انھوں نے اپنے حق میں ماموں کا نجمن کے مدرسہ کی دلیل پیش کی۔ تب ہم نے انھیں قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح مسئلے سے آگاہ کیا تو وہ اپنا فیصلہ بد لئے پر رضامند ہو گئے۔

باقی رہا اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک کے الگ بننے کا معاملہ..... تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے، جسے امت کے کسی فرد کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ مثال کے طور پر امت کے کسی فرد کے لیے بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنا حرام ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیک وقت چار سے زائد بیویاں رہی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کی بیویاں مونمنوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ان سے نکاح حرام تھا جب کہ کسی اور کی بیوی کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ ایسے ہی الگ قبر کے معاملے میں بھی آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ترمذی شریف میں مرقوم ہے:

«لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دُفْنِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهُ قَالَ: مَا قَبَضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمُوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ فَدَفَنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ»

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب این تدفن الانبیاء: ۱۰۱۸)

”جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو صحابہؓ میں آپ ﷺ کے دفن کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ ابو بکر صدیقؓ نے کہا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک

حدیث سنی ہے جسے میں نہیں بھولا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نبی کو وہیں فوت کرتا ہے جس جگہ اسے نبی کا دفن ہونا پسند ہوتا ہے۔ اس وجہ سے صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو وہیں دفن کر دیا۔“ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تعدد طرق اور شواہد کی بنا پر قابل جلت ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں فوت ہوئے اور آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہیں آپ ﷺ کی قبر بنا دی گئی۔ اب یہاں عمارت تو پہلے ہی موجود تھی اور وہ آپ کی پیاری بیوی اور مونوں کی ماں حضرت عائشہؓ کے حجرے کی عمارت تھی۔ اب رسول اللہ ﷺ کی یہ جو خصوصیت تھی اس کی حکمت کے بارے خود اس حجرے کی مالکہ اور مونوں کی ماں کی زبان مبارک سے سن لیجیے کہ اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«لَوْلَا ذَلِيلَكَ أَبْرَزَ قَبْرَهُ عَيْرَ أَنَّهُ خَحِشِيَّ أَوْ خُحِشِيَّ أَنْ يُتَحَدَّ مَسْجِدًا»

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ و ابی بکر و عمر

رضی اللہ عنہما ض ۳: ۳۸۸)

”اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر ظاہر کر دی جاتی لیکن آپ ﷺ اس سے ڈرے کہ کہیں آپ ﷺ کی قبر عبادت گاہ نہ بنائی جائے۔“

باقی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کا تعلق ہے تو وہ اس لیے بنیں کہ وہاں اللہ کے رسول ﷺ کی قبر بن چکی تھی ورنہ کسی بھی صورت ان جلیل القدر صحابہ کی قبریں وہاں نہ بنیں۔

آخرت کی یادیں، کہاں؟ مزاروں پر یا قبرستانوں میں؟:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم مزارات پر جاتے ہیں، مگر وہاں صرف دعا کرنے جاتے ہیں،

مانگنے کچھ نہیں جاتے، تو ان لوگوں کی خدمت میں چند گزارشات ہیں۔

پہلی تو یہ ہے کہ اس مزار کا پختہ بنایا جانا..... اس پر چادر کا چڑھایا جانا..... دیے کا جلا یا جانا..... کتبے کا لگایا جانا اور میلے کا منایا جانا..... یہ سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کے فرائیں کی خلاف ورزی ہے۔

دوسرایہ کہ آپ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں قبروں پر قرآن کی تلاوت منع ہے اور یہاں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، مزید یہ کہ یہاں مساجد کی صورت میں عبادت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں، جن کے بنانے والوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

تیسرا یہ کہ یہاں عورتوں کا بڑا رش ہوتا ہے، جن کی بہت بڑی تعداد نگے منہ اور زیادش و آرائش سے آرستہ ہوتی ہے یعنی عورتوں کی جو کیفیت بازاروں میں دیکھنے میں آتی ہے وہی بلکہ اس سے بڑھ کر یہاں دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے تو اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے اچھی جگہ مسجد کو اور سب سے بڑی جگہ بازار کو قرار دیا۔ اب یہ حقیقت ہے کہ بازار کی تمام خصوصیات یہاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

چوتھا یہ کہ میلے کے دنوں میں یہاں ناج گانے، بھگڑے اور بے حیائی کے تمام مظاہر عروج پر ہوتے ہیں۔

اب اگر ان کو روکنے اور یہاں آنے والوں کو صحیح دین کی تبلیغ کرنے کا حوصلہ اور جرأت آپ میں موجود ہے تو شوق سے جائے اور ضرور جائیے..... لیکن اگر ان تمام برا یہوں کو دیکھ کر خاموشی سے لوٹ آئیں اور کہیں کہ جی میں تو وہاں دعا کرنے گیا تھا تو سن لبھیے! یہ آپ کی دینی غیرت کی موت ہے اور آپ منکرات میں حصہ دار بن کر آئے ہیں۔ باقی جہاں تک قبروں کے پر دعا کرنے کا تعلق ہے تو یاد رکھیے وہاں جانے اور دعا کرنے کا ایک مقصد ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔ لہذا اگر وہ مقصد پورا ہو تو جانا ٹھیک ہے ورنہ گناہ کا بوجھ اٹھانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ قبروں پر جانے کا مقصد جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے، سن لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَوْرُوا إِلَيْهِمُ الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكَّرُ كُمُ الْمَوْتَ»

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استیذان النبی ﷺ ربہ فی زیارہ قبر امہ: ۹۷۶)

”قبروں کی زیارت کیا کرو، اس لیے کہ یہ موت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔“

اب اللہ کے رسول ﷺ نے مزارات کے بارے نہیں بلکہ قبروں کے بارے کہا ہے کہ وہاں آخرت کی یاد آتی ہے۔ اب حق اور حق تو یہی ہے کہ قبرستان میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق کبھی قبریں ہوں، پھر کچھ زمین بوس اور خختہ حال ہوں، وہاں اپنے پیاروں اور عزیزوں کی قبریں بھی موجود ہوں تو آخرت کی یاد دہانی کا مقصد دو چند ہو جائے گا۔ پھر وہاں موجود درختوں کے ہٹنے سے شائیں شائیں کی آوازیں آرہی ہوں۔ یہ سارا منظر انسان کو دنیا کی بے ثباتی اور بر بادی کی حقیقت اجاگر کر کے اسے آخرت کی یاد دلائے اور پھر انسان کا اندر گواہی دے کہ کتنی بے ثبات اور ناپائیدار ہے یہ دنیا اور اسے آخرت کی یاد آجائے اور پھر اس خاموش بستی کے باسیوں کی مغفرت کے لیے اللہ کے حضور ہاتھ بلند کر دے کہ یہ دعا کے محتاج ہیں اور وہ واپس لوٹے تو اس حال میں کہ اس کا دل دنیا میں لگنے کے بجائے آخرت کا ہو کر رہ جائے اور اس حال میں واپس آئے کہ اس کے دل سے گناہوں کا میل آنسو بن کر آنکھوں کے راہ بہہ جائے۔ یوں آتی ہے آخرت کی یاد کہ جسے یاد کرنے کا آخرت کی طرف بلانے والے آخری پیغمبر ﷺ نے حکم دیا ہے۔

اب مزارات کے احوال بھی ملاحظہ فرمائیجیے۔ یہ دیکھنے والے کو ابھی دکھائی دیا نہیں اور دور ہی سے خوشبوؤں کی مہکیں اٹھ رہی ہیں۔ سنگ مرمر سے یہ مزار سجا ہوا ہے، گرمیوں میں سکھے اور ائر کنڈیشنز لگے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈے پانی اور دودھ کی سبیلیں جاری ہیں۔ حلے، زردے اور کھیروں کے لئے تقسیم ہو رہے ہیں۔ عورتوں کے بناؤ سنگھار کے تمام جلوے اپنے

جو بن پر حسن پرستوں کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔ قول سرگیوں اور باجوں کے ساتھ لوگوں کو مست کر رہے ہیں..... یہاں قائم ہوٹلوں میں وی سی آر اور ڈش پوری دنیا کا "گند"، فلموں کے نام پر دکھا رہے ہیں۔

کیا یہاں آخرت کی یاد آسکتی ہے؟

مسئلے کو ذرا وضاحت سے سمجھنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا ایک فرمان ملاحظہ فرمائیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مسافر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "وَهُلْمَبَا سَفَرَ كَرَتَ أَهْلَهُ حَالَ، گَرَدَ آلُودَ أَهْلَهُ بَنَوَنَ، ہَاتَّهُ آسَمَانَ كَيْ جَانِبَ پَھِيلَانَهُ ہوئے کہتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!،" حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، پینا حرام کا ہے اور اس کا پہنچانا حرام کا ہے اور حرام مال ہی سے وہ پلا ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟"

(صحیح مسلم، کتاب الزکاہ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب و تربیتها: ۱۰۱۵)

بالکل اسی طرح اس مزار پر جہاں سارے کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ہو رہے ہیں بلکہ حقیقت میں اس مزار کا وجود ہی اللہ سے بغاوت ہے اور پھر یہاں صاحب مزار کو داتا (دینے والا) دشییر (ہاتھ کپڑنے والا) غوث العظیم (فریاد کو پہنچنے والا) اور مشکل کشا وغیرہ کے القابات دے کر اللہ کی گنتانی کی جا رہی ہے اور یہاں دعا کے لیے آنے والا ان تمام منکر کاموں میں گھرا ہوا ہے، اسے یہاں اللہ تعالیٰ کے وقار کا کوئی خیال نہیں آتا اور وہ اللہ کی مخلوق کو اس شرک جیسے عظیم ظلم اور گناہ کے ارتکاب سے منع نہیں کرتا، تو انصاف سے بتالیے! اس کی دعا کا یہاں کون سا موقع ہے؟ اس کی دعا تو ایسے ہی ہے کہ

ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا
اور ذرا غور تو فرمائی! کہ شیطان شرک کی اس منڈی میں لوگوں کے ایمانوں کا سودا کر رہا ہے اور یہ بے چارہ ہے کہ شرک کی منڈی میں شرک کے بازار میں دعا کرنے کا مسئلہ پوچھ

رہا ہے۔ یاد رکھیے! یہاں اس حال میں دعا کرنا اللہ کے ہاں بھی جرم ہے اور لوگوں کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ وہاں جانے والے صحیح گے کہ جیسے ہم حضرت سے فریاد کرنے آئے ہیں یہ بھی آیا ہے۔ دوسری طرف یہ صاحب شرک کے اس مرکز پر اپنا فریضہ ادا کیے بغیر یہاں سے چلتا بنے گا تو اللہ کے ہاں مجرم اس طرح ٹھہرا کہ یہ اس منڈی کی شرکیہ رونق میں اضافے کا سبب بنا اور یہاں اپنے مالک کی گستاخی اور توپین کو دیکھ کر خاموشی سے چلتا بنا۔ یہ اگر یہاں اپنے رب کی توحید کو بیان نہیں کر سکتا تھا، یہاں ہونے والی بے ہود گیوں کی اصلاح نہیں کر سکتا تھا، تو اس سے بہتر تھا کہ یہاں آتا ہی نہ۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شرک کے ان اڑوں اور ایسی مقدس جگہوں سے کہ جہاں شرک کا شائبہ ہو یا جو جگہیں شرک کا ذریعہ بن سکتی ہوں، ان کی طرف جانے سے اپنی امت کو سختی سے منع فرمادیا اور صرف تین جگہوں کی طرف ثواب کی غرض سے سفر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُشَدُّ الرّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الْأَقْصَى وَ مَسْجِدِ الْمَبْرُورِ»

(صحیح بخاری، کتاب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینۃ، باب مسجد بیت المقدس : ۱۱۹۷۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغیره: ۸۲۷)

”تین مساجد کے علاوہ کسی بھی جگہ کی طرف سفر کا سامان نہ باندھا جائے، مسجد حرام (بیت اللہ)، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی)۔“

اب ان تین جگہوں کا تعین اللہ کے رسول ﷺ نے کر دیا ہے اور ان جگہوں کی زیارت کے ثواب سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اب کسی بھی اور جگہ کو یہ مرتبہ دینا کہ لوگ دور دراز سے چل کر وہاں جائیں اور اس مقام کو مخصوص کر کے وہاں ثواب کا اعتقاد رکھیں، یہ شریعت

میں جائز نہیں ہے۔ صحابہ کرام ﷺ تو لوگوں کو ان جگہوں سے بھی روکتے تھے جن کا کسی نبی سے تعلق رہا ہوتا تھا کہ کہیں یہ شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ حضرت قریبؓ فرماتے ہیں:

«أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى الطُّورِ فَسَأَلْتُ أَبْنَ عُمَرَ فَقَالَ أَبْنُ عُمَرَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصِيِّ وَ دَعْ عَنْكَ الطُّورَ فَلَا تَأْتِهِ»

(اخبار مکہ لیا زرقی، باب ذکر حد المسجد الحرام وفضله وفضل الصلوٰۃ فيه : ۶۶/۲ - علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں)

”میں نے طور کی طرف (زیارت کے لیے) جانے کا ارادہ کیا تو میں نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کے متعلق پوچھا (کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟) تو انہوں نے جواب دیا: ”اللہ کے رسول ﷺ نے ان تین مقامات کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف ثواب کے ارادہ سے (زیارت کے لیے) جانے سے منع فرمادیا ہے۔ وہ تین مقامات مسجد الحرام (بیت اللہ)، مسجد الاقصی (بیت المقدس) اور مسجد نبوی ہیں۔ اس لیے (اس حدیث کی روشنی میں، اے قزعہ!) تو زیارت کے لیے طور کی طرف نہ جائے“

اگر صحابہ کرام ﷺ ہمارے دور میں ہوتے تو کیا ثواب کے لیے مزاروں اور درباروں پر جانے کی اجازت دیتے؟

مزید برآں اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی جگہ کو یہ رتبہ دے دیا جائے اور وہاں خالص اللہ ہی کی عبادت بجالائی جائے اور شرک کا ارتکاب بھی نہ کیا جائے اور اس جگہ کسی کا مزار بھی نہ ہو.....تب بھی یہ فعل اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے صریحاً خلاف ہو گا۔ مگر ذرا غور فرمائیے! ایسے مقامات کے بارے، جو ہی بزرگوں کے مزارات اور شرک کے اڑے، ان کی طرف اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف جانے سے منع فرمایا ہے بلکہ انھیں گرادرینے کا

حکم دیا ہے۔ تو ایسے مقامات کی طرف سفر کرنا اللہ ذوالجلال کے ہاں کتنا بڑا جرم ہو گا؟

بیت اللہ کے ساتھ مجاز آرائی:

حقیقت یہ ہے کہ ایسا مقام بنانا اور اس کی طرف جانا، اپنی طرف سے چوہنی جگہ کا اضافہ کرنا ہے اور ان تین جگہوں کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ جہاں تک اللہ کے گھر کعبہ کا تعلق ہے تو اس کی اہمیت کو کم کرنے کی مہم تو جاری ہے اور زور شور سے جاری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کعبہ کو ”شریف“، کہا مگر آج مزاروں کے حوالے سے ہر شہر اور ہر گاؤں شریف بن چکا ہے۔ پھر جو کچھ بیت اللہ میں کیا جاتا ہے وہی مزارات پر دہرایا جاتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے کعبہ کے گرد طواف کو نماز کی مثل قرار دیا ہے۔ اب یہاں قبر کے گرد پھیرے لگا کر صاحب قبر کی عبادت کی جاتی ہے۔ وہاں حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے، یہاں حضرت کے مزار پر لگے ہوئے سرخ و سفید پتھروں کو چوما جاتا ہے۔ وہاں ملتزم کے ساتھ چٹ کر اپنے اللہ سے فریادیں کی جاتی ہیں تو یہاں مزار کے ستونوں کے ساتھ پٹ کر حضرت کے نام کی دھایاں دی جاتی ہیں۔ وہاں سال میں دو دفعہ کعبہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے تو یہاں سال میں بے شمار مرتبہ حضرت کے مزار کو رنگ برنگی اور سنہری چادروں سے سجا لیا جاتا ہے۔ بیت اللہ کو غسل دیا جاتا ہے تو یہاں جناب علی ہبھیری صاحب کے مزار کو پچاس پچاس من عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے۔ وہاں لبیک لبیک کہہ کر اللہ کے حضور حاضری کا اعلان کیا جاتا ہے تو یہاں شرکیہ اشعار اور قوالیاں گا کر تلبیہ کی نقل اتاری جاتی ہے۔ غرض ہر میدان میں اللہ کے گھر کا مقابلہ دکھائی دیتا ہے اور نادان دوستوں نے کعبہ کے مقابلے میں بے شمار کعبے بناؤ کر ابہہ کے کام کو خوب روانج دیا ہے۔

جب سلطان عبدالعزیز کے جواب نے قبول کا کباب بنادیا:

ترکوں کے زمانے میں یہی کچھ عرب کی پاک سر زمین میں بھی ہو چکا ہے۔ صحابہ

کرام شَّاہِ اللّٰہ اور دیگر بزرگوں کے مزارات بنا کر ان سے اسی قسم کا سلوک روا رکھا گیا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو امام محمد بن عبد الوہاب اور محمد بن سعود کی صورت میں دو توحید کے فرزند عطا فرمائے۔ ایک کو توحید کے علم و عمل سے نوازا جب کہ دوسرے کے ہاتھ میں توحید کی تلوار کو تھما یا اور اپنے پیارے آخری رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کو پھر اس کی اصلی صورت میں سرز میں چاہ میں جلوہ گرفہ دیا۔ پھر دوبارہ شاہ فیصل کا باپ، ابن سعود کا فرزند سلطان عبدالعزیز سعودی عرب میں خادم الحریمین الشریفین بنا اور اس نے باقی رہے سہ شرکیہ مقامات اور مزارات سے بھی سرز میں عرب کو پاک صاف کر دیا۔ تب برصغیر کے بعض مولوی سلطان کو اس مقدس دینی کام سے ہٹانے کے تو سلطان نے ان سب کو مناطب کرتے ہوئے کہا:

”اگر تم قرآن کی کوئی ایک آیت یا محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی ایک فرمان ان مزاروں کے حق میں لے آؤ تو میں انھیں سونے چاہندی سے آراستہ کر دوں گا۔“

مزارات کی نمائندگی کرنے والوں کے پاس سلطان کے اس جواب کا کوئی توڑ نہ تھا۔ تب وہ دلیل کے میدان میں لا جواب ہو کر گھر کو لوٹے۔

سلطان کے جواب سے خوش ہو کر اس وقت کے معروف مسلمان لیڈر مولانا ظفر علی خان نے سلطان کے ان جرأت مندانہ اسلامی اقدامات کو اپنے اخبار ”زمیندار“ میں خراج تحسین پیش کیا اور اپنے اشعار میں اس امید کا اظہار کیا کہ باقی دنیا میں شرکیہ نجاستوں کی تطہیر ان شاء اللہ سلطان جیسے موحد کے ہاتھوں سے ہو گی۔

آخری لمحات میں رسول ﷺ کی وصیت:

معزز قارئین کرام! اب آخر میں اللہ کے رسول ﷺ کے دو پیارے فرمان سن بیجیے۔

پہلا فرمان ان لمحات میں ارشاد فرمایا گیا ہے جب انسان دنیا کی سرحد سے قدم اٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور آخرت کی سرحد میں اپنا اٹھایا ہوا قدم رکھنے کو تیار ہوتا ہے۔

اس موقع پر جو بات بھی کہی جاتی ہے وہ وصیت کھلاتی ہے اور اب آپ جس وصیت سے

واقف ہونے والے ہیں، یہ تمام نبیوں کے آخر میں آنے والے، سب نبیوں کے امام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وصیت ہے اور یہ اس رحمت للعلمین پیغمبر کی وصیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ انتہائی شفیق اور مہربانی قرار دیا ہے۔

تو دیکھیے اور سینے اپنے پیارے نبی ﷺ کی وصیت جس میں ہم سب کی بھلائی کی خاطر ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے پیشگی خبردار کر دیا گیا ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں:

«لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَإِذَا اعْتَمَّ بَهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذِيلُكَ»

”رسول اللہ ﷺ پر موت کی کیفیات طاری ہوئی تو آپ ﷺ اپنی چادر کو اپنے

چہرے پر ڈالتے، پھر جب گھنٹن محسوس کرتے تو چادر ہٹا دیتے۔“

اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى إِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ»

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل

3454، 3453: صحيح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد

من القبور: 531)

”اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں

کو عبادت گاہ بنالیا۔“

”قیامت“ قبر پرستوں پر قائم ہوگی:

جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے تو قیامت قائم ہونے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک انتہائی خوشنگوار ہوا ہیجے گا، وہ ہر اس شخص کے

فوت ہونے کا سبب بن جائے گی کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا۔“

(صحیح مسلم، کتاب الفتنه و اشراطہ الساعۃ، باب فی خروج الدجال و مکثه فی الارض الح: ۲۹۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ اتنے مہربان ہوں گے کہ ان کے ہاں معمولی سا ایمان بھی معتبر ہوگا۔ مگر قبر پرستوں کے بارے بھی دیکھیے کہ قبر پرستی کے عقیدے کے ساتھ ان کے ایمان کو ایمان تسلیم ہی نہیں کیا جا رہا اور چونکہ شرک کی موجودگی میں ایمان بر باد ہو جاتا ہے اور رائی کے دانے جتنا بھی باقی نہیں بچتا، تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا اور حقیقت تو یہی ہے کہ جب کوئی شے موجود ہی نہیں اور اگر موجود تھی تو بر باد ہو چکی، لہذا اب ذکر کس کا ہو؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو قبر پرستی کے اس مذموم جہنمی فعل سے بچائے کیونکہ بڑے بد قسمت ہیں یہ لوگ کہ قیامت بھی انہی پر قائم ہوگی۔ تواب سنینے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ شَرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَ هُمْ أَحْيَاءٌ وَ مَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ»

(مسند احمد: ۱/۴۰۵، ۴۳۵)

”بے شک لوگوں میں سے بدترین لوگ وہ ہوں گے جنہیں قیامت آ لے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔“



شاهرادهشت

55

باب نمره ۲

ہجوری مزار سے الہی دربار تک

ایک ایسے کردار کی سچی داستان جو ابھی حیات ہے

میں نے میٹر ک اپنے گاؤں کے سینی بارہائی سکول سے سائنس کے ساتھ فرست ڈویژن میں پاس کیا۔ تصوف کے رنگ میں تو بچپن ہی سے رنگ ہوا تھا کیونکہ ہمارا گھرانہ بہت زیادہ پیروپست ہے۔ چنانچہ دیدار الہی کے لیے اور صاحب ڈیوٹی (ولی) بننے کے اشتیاق میں اکثر کوشش رہتا۔ یہاں تک کہ ساری ساری رات مسجد میں گزارتا، یا پھر تہائی میں ایک ناگ پر کھڑا ہو کر بگلے کی طرح بھگتی کرتا۔ کبھی اٹالٹک کر اپنی گمنام منزل کے حصول کی سعی لا حاصل کرتا۔ مگر فاصلہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ شوق وصال میں کبھی کسی درگاہ اور کبھی کسی دربار پر حاضری دیتا، اپنے حلقہ یاراں کی طرح جب عشق کا مرود پیٹ میں زیادہ اٹھتا تو کبھی وجود آ جاتا، کبھی حال چھڑ جاتا اور کبھی خالی دھماں پر ہی گزارہ کرنا پڑتا۔

اسی طرح ماہ و سال گزرتے رہے اور دردیشی کی گردہ دل میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ کبھی کبھی مترجم قرآن مجید پڑھتا تو ذہن کسی اور ہی حقیقت کی طرف چلا جاتا۔ کیونکہ وہاں ہمارے جیسی دھینگا مشتی کا تصور تک نہ تھا۔ جب میں اپنے والد صاحب سے دریافت کرتا تو وہ کہتے: ”بیٹا! قرآن ہماری سمجھ میں آنے والی چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں، یہ ہر کسی کے بس کاروگ نہیں۔“ میں بھی ذہن کو ادھر ادھر گھما کے دل کو تسلی

دیتا کہ بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اور دیکھتا تھا کہ والد صاحب اہل معرفت کے حلقے میں ملخے ہوئے تھے اور اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے (اور رکھتے ہیں) گیارہویں شریف کا ختم بڑی پابندی اور بڑے اہتمام سے دلویا جاتا تھا (اور دلویا جاتا ہے) جس میں، میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا تھا۔ یہ تو خیر سن ہی رکھا تھا کہ عشق اور معرفت کی دنیا میں بڑی کھنڈا یاں ہیں اور اس راستے میں اترنا جان جو کھوں کا کام ہے۔ بہر حال میں نے اس ”پر خار اور پر خوار“ راستے پر چلنے کا چیلنج قبول کر لیا۔ اس وادی مغضوب کی طرف چلنے سے پہلے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا تو لازمی شرط ہے، اس لیے جہاں بڑوں نے ہاتھ دیے، وہاں ہم نے سر دینا بھی قبول کیا ہوا تھا۔

ہاتھوں میں ہاتھ دینے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ ہاتھ جس کے ہاتھوں میں دے دیا جائے پھر وہی اول و آخر، ظاہر و باطن، حاضر و ناظر، جہاں دو ہوں وہاں تیسرا وہ ہوتا ہے اور جہاں چار ہوں وہاں پانچوں اسے سمجھا جاتا ہے۔

میں بھی اسی تصور کے لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس لیے عقیدت کے جوش میں کبھی کبھی اپنے مرشد پاک کی تصویر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتا (جو گھر میں ہمہ وقت موجود ہوتی تھی) اور اپنی آبدیہ آنکھوں کو اپنے پیر و مرشد، آقا و مولا، حاجت روا، مشکل کشا کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ یہی سبق سکھایا جاتا تھا کہ سیاہ و سفید کے مالک بھی وہی، بارش بر سامنے والے بھی وہی، رازق بھی وہی، مالک کل بھی وہی۔ (یاد رہے آج کل ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور وہ لنگڑا کر چلتے ہیں اور اس بزرگ کو بعد میں کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا) اور یہی سبق ہم نے از بر کر رکھا تھا۔ ہاں تو بات ذرا دوسری طرف نکل گئی، میں کہہ رہا تھا کہ میں نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ راتوں کو جا گنا میرا معمول بن گیا تھا۔ ایک تڑپ تھی، ایک جذبہ تھا اور اس جذبے سے سرشار میں چھوٹی بڑی درگاہوں پر ٹکریں مارتا رہتا تھا مگر اپنے اللہ سے تعلق استوار نہ ہو سکا۔ دن گزرتے گئے۔ اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور یہ کہ ع

کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا
آخر ایک دن میں نے اس فانی دنیا کی جھوٹی لذت اور عیش و عشرت کی زندگی کو خیر باد
کہہ دیا اور حضرت داتا گنج بخش صاحب کے دربار پر جانے کا پروگرام بنایا۔ دل میں یہ فیصلہ
کیا کہ جب تک داتا صاحب ولایت کی ذمہ داری نہیں لگا دیتے، واپس نہیں آؤں گا۔

داتا دربار کی طرف رو انگی کیسے ہوئی؟:

قرآن نے جسے کھلا دشمن کہا ہے میں اس کے بچوں میں اچھی طرح جکڑ گیا تھا اور سچی
بات ہے کہ اندر ہی اندر مجھے بشارتیں بھی ملنے لگی تھیں، جو دراصل شیطان کے وسوسے تھے کہ
جلدی جاؤ تمہارا فیض وہیں کھلے گا وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں کے دل میں بھی میری عزت تھی۔
شب بیداری کے سبب لوگ مجھے کچھ کچھ ولایت کے عہدے پر فائز سمجھنے لگے۔ شاہ کوٹ
(فیصل آباد، پنجاب) میں ہماری آڑھت کی دکان تھی۔ والد صاحب دکان پر تھے، میں نے
والدہ سے اجازت لی۔ سنا روں کے گھر میں ناز و نعم سے پلنے والے نے جب شاہانہ لباس اتار
پھینکا اور فقیروں والا پھٹا پر ان لباس پہنا تو لوگ حیران رہ گئے (لباس و خوراک کی نفاست
پسندی کی وجہ سے والد صاحب کے دوست مجھے ”شہزادہ“ کہہ کر پکارتے تھے) میں سیدھا
شاہ کوٹ والد صاحب کے پاس پہنچا اور اجازت مانگی۔ والد صاحب مجھے اس حالت میں دیکھ
کر ششندہ رہ گئے اور روکر کہنے لگے: ”بیٹا! اس طرح جارہے ہو۔“ میں نے کہا: ”ہاں! فقیر
بادشاہوں کے ہاں اسی طرح ہی جایا کرتے ہیں۔“ والد صاحب نے اوپھی اوپھی رونا شروع کر
دیا۔ مجھ سے بھی ندر ہا گیا، پاس میٹھے لوگ بھی زار و قطار رونے لگے۔ بعض لوگ کہتے تھے:

”بھائی غلام محمد! تو خوش قسمت ہے کہ تھے اللہ نے ایسا بیٹا عطا کیا ہے۔“

آخر رونے دھونے کے بعد والد صاحب نے کہا: ”بیٹا! ہم ولیوں کے مانے والے
ہیں اور تم داتا صاحب کے حکم پر جا رہے ہو، میں تمھیں اس نیک مقصد سے منع تو نہیں کرتا۔

(میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بشارتیں ملنا شروع ہو گئی تھیں، جو میں اپنے بزرگوں کو بتا چکا تھا) ویسے تم جانتے ہو کہ میں تمہارے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔ میں نے کہا: ”ٹھیک ہے لیکن یہ فقیر تواب جا ہی رہا ہے۔“ شاہ کوٹ میں نوکھہ ہزاری کا مشہور دربار ہے، میں سیدھا دربار پر گیا، وہاں حاضری وغیرہ دی اور اپنی منزل کی جانب یعنی داتا دربار کی طرف چل دیا۔ اپنے ہوش میں لاہور کی طرف میرا یہ پہلا سفر تھا۔

یہ بات مشہور ہے کہ جب تک پیر کی صاحب کے دربار پر حاضری نہ دی جائے داتا صاحب اپنے ہاں کسی قسم کی حاضری قبول نہیں کرتے۔

دربار پر حاضری:

حسب رسم میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر میں داتا دربار پہنچا اور جاتے ہی قبر مبارک پر سجدہ ریز ہو گیا۔ میں اوپنجی اوپنجی آواز میں رورہا تھا، اتنے میں ایک بادا صاحب آئے مجھے پکڑا اور تسلی دینے لگے، میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ بس پھر کیا تھا!!

لک لک دیدم.....لب نہ کشیدم

قبر مقدس کو دیکھتا رہتا اور چپ رہتا۔ کچھ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا مقرب بننے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں!! نفس سے زبردست ”جہاد“ کرنا پڑتا ہے، سو میں نے بھی ریہر سل شروع کر دی، اس جہاد کی..... جوں جولائی کی کڑکتی دھوپ میں ایسا جہاد کرنے والے ہی اس حقیقت کو جان سکتے ہیں، دوسروں کو کیا معلوم کہ ع

جس تن لاگے سو وہی تن جانے

صوفیا نے کرام فرماتے ہیں: ”شیرنی کا دودھ خالص سونے کے برتن کے علاوہ اور کسی برتن میں نہیں ٹھہرتا، برتن ٹوٹ جاتا ہے۔“ اس لیے جس سینے میں معرفت کا علم داخل کرنا ہو پہلے اسے صاف اور سونے کی طرح خالص کرنا پڑتا ہے۔ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو پہلے گندگی سے پاک صاف کرنا ضروری ہے، جس کے لیے کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازمی شرط ہے۔

یہاں معرفت الہی کو شیرنی کے دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے، تو میرے سامنے بھی میرے ہی گاؤں کی ایک زندہ مثال تھی۔ ہمارے گاؤں کے ایک بزرگ ہیں، انہوں نے بارہ سال تک روئی نہیں کھائی اور سوکھ کر کاٹا بنے ہوئے تھے اور دور حاضر کے اولیاء و صوفیاء کے نزدیک مقام خداوندی تک پہنچ چکے تھے۔ مشہور ہے ”رانجھارا بنجھا کر دی میں آپے رانجھا ہوئی“، یعنی جو بندے اس قدر زیادہ اللہ کر تے ہیں، ایک وقت آتا ہے کہ وہ خود اللہ کا روپ ہو جاتے ہیں۔

حضرت کے ذکر کی تپش:

اسرار الہی سے واقف حضرات اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ علی احمد صابر کلیر شریف والے مقام الہی پر فائز تھے۔ مشہور و معروف واقعہ جوان سے منسوب ہے، وہ مختصرًا کچھ یوں ہے کہ:

انہوں نے چھتیس برس ایک جنگل میں بغیر کھائے پیے گزار دیے۔ وہ اس قدر یادِ الہی میں مشغول رہے کہ کھانے پینے کا ہوش نہ رہا۔ بارہ بارہ میل تک چاروں طرف ان کے (ذکرِ الہی) کی تپش محسوس کی جاتی تھی اور اگر کوئی پرندہ ان کے سر کے اوپر سے بھی گزر جاتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔ آپ ایک گلر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر وظیفہ کیا کرتے تھے۔ چھتیس برس وہاں رہے۔ اس درخت کی ٹہنیاں اور جڑیں وغیرہ آپ کے جسم کے گرد لپٹ چکی تھیں۔ پھر آپ کو واپس لانے کا قصہ بڑا طویل ہے۔ بہر حال جب واپس آئے تو ان کی شادی کر دی گئی۔ آپ کی بیوی جب آپ کے پاس آئی اور کہا: ”میں آپ کی بیوی ہوں“، تو حضرت فرمانے لگے: ”اللہ میاں کی بھی کوئی بیوی ہوتی ہے!!“ وہ کہنے لگی: ”بھی! آپ اس طرح تو مذاق نہ کریں، میں واقعی آپ کی بیوی ہوں۔“ حضرت صاحب نے جلال میں آکر ان کی طرف دیکھا تو وہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی۔ (یہ ہے مقام خداوندی، سمجھ دار عورتیں شادی سے پہلے خوب جان لیا کریں کہ موصوف کہیں اس مقام پر تو فائز نہیں ہے..... بصورت

رہبانیت کی انتہا:

ہاں تو میں بھی اس جہد مسلسل میں لگا رہا۔ اب خوارک کا یہ عالم تھا کہ دن میں کبھی کبھار چند ایک چنے کے دانے کھاتا اور دو گھنٹ پانی پی لیتا۔ یوں تو وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لوگ میرے قریب انواع و اقسام کی مٹھائیاں اور کھانے لا کر رکھ دیتے لیکن میں آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھتا تھا، کیونکہ میری دنیا ہی کچھ اور تھی۔ اللہ جو ہوتا ہے، سترہ یا اٹھارہ دن بعد مجھے رفع حاجت ہوتی تھی۔ اب رونا دھونا اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ میری آنکھوں کا پانی تک خشک ہو گیا، مگر میں پھر بھی شکست ماننے والا نہ تھا۔ گرمی اور خشکی کے سبب نیند بالکل ختم ہو چکی تھی۔ میرے علاوہ قبر مبارک کے قرب و جوار میں اور لوگ بھی چلکشی میں مصروف رہتے تھے۔ مگر میرا مسئلہ ان سب پر فوکیت لے گیا تھا۔ اب وہ سارے لوگ بھی مجھے ایک پہنچا ہوا بزرگ خیال کرنے لگے۔ چھوٹی عمر میں کوئی بڑی بات ہو جائے تو حیرت تو ہوتی ہی ہے۔ میری عمر بھی کچھ زیادہ تو نہ تھی، ابھی داڑھی بھی ٹھیک سے نہ اتری تھی کہ میں معرفت کی بلند یوں کو چھوٹے لگا تھا۔ لوگ مزار پر حاضری دینے تو آتے ہی تھے، کوئی کچھ مراد لے کر آتا اور کوئی کچھ کیونکہ اکثر لوگوں کی مراد میں تقریباً ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں اور وہ پوری بھی وہاں ہی ہوتی تھیں۔

حضرت معین الدین چشتی اور ایک فاحشہ عورت:

(سینہ بسیئہ علم سے) ایسا ہی ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی داتا صاحب کے دربار پر حاضری دینے کے لیے آئے تو میری طرح وہ بھی دیدار چاہتے تھے، جو مشکل دکھائی دیتا تھا۔ کافی دن گزر گئے مگر کوئی بات نہ بی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بد کار عورت آئی اور سلام کی رسم سے فارغ ہو کر کہنے لگی: ”داتا! میرا یار ملادے۔ اگر میرا یار نہ ملا تو داتا

تیری قسم! میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔“ اب کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا آشناوہاں آ جاتا ہے اور اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اسے لے جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے! نمناک آنکھوں سے مزار اقدس کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں: ”ایک عورت ابھی آئی اور اپنا مقصد پا کر چلتی بنی، میں کئی دنوں سے یہاں دیدار کو ترس گیا ہوں، نہ جانے مجھ سے کون سی غلطی ہوئی ہے۔“ تو قبر مبارک سے آواز آئی: ”معین الدین! اس عورت کا یقین بہت پختہ تھا، اس لیے میں نے اس کو جلدی فارغ کر دیا۔ تو تو ہمیں بہت اچھا لگتا ہے، اس لیے یہاں کچھ دن اور رک جاؤ،“ تو انھوں نے یہ شعر کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصان را پیر کامل کامل را راہنمایا

لوگ میرے پاس آ کر پوچھتے تھے: ”بھائی! کیا معاملہ ہے؟ کوئی لڑکی وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے، کہیں شادی کروانے کو جی چاہتا ہے یا عشق و محبت کا کوئی مسئلہ ہے.....؟ ویسے کوئی فکر نہ کرو داتا سب کی سنتا ہے۔“ میں کہتا: ”بھائی! نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر اس طرح کا کوئی چکر ہوتا تو حل ہو گیا ہوتا، میری دنیا کوئی اور ہے،“ تو وہ ہنس کر چل دیتے۔ اب رفتہ رفتہ میں وہاں کے لوگوں میں کافی مشہور ہو گیا۔ بڑے بڑے بزرگ اور عمر سیدہ حضرات میرے پاس آ کر روپڑتے کہ جناب ہمارے لیے بھی کوئی دعا کرو۔ میں کہتا: ”یارو! اگر میری دعا میں کوئی اثر ہوتا تو میں اپنے لیے نہ کر لیتا۔“ مگر وہ کہاں سنتے تھے۔ کہتے تھے: ”تم تو خاصان خاص میں سے ہو، بس ہمارے لیے دعا کر دو۔“ میں نگ آ کر کہتا: ”مجھے تو خود کسی کی بد دعا لگی ہوئی ہے، میں تمہارے لیے دعا کیا کروں۔“ تو وہ میری اس بات کو بھی شان بے نیازی سمجھ کر مسکرا دیتے (کسی نے یونہی تو نہیں کہا کہ مشرک دی مت مری ہندی اے)۔

جب تک داتا قبر سے نکل کر بغل گیر نہ ہو گا.....:

وہاں ایک بڑے میاں سے علیک سلیک ہو گئی، باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا: ”میں کئی سالوں سے یہاں رہ رہا ہوں (مجھے بھی امر ہوا تھا) میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک داتا صاحب قبر سے نکل کر مجھ سے بغل گیر نہیں ہو جاتے۔“ بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتا: ”واہ! سبحان اللہ! داتا، داتا ہی ہے“ اور پھر فرط جذبات سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے۔ ایک دن وہ سورہ ہے تھے کہ کسی نے ان کی طلائی گھڑی چرالی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کہنے لگے: ”میری گھڑی کسی نے چرالی ہے۔“ میں نے کہا: ”آپ کو پتا نہیں چلا؟“ کہنے لگے: ”نہیں! بس سوتے ہوئے کام ہو گیا۔“ (وہ بھی پنچھے ہوئے ولیوں میں سے تھے) میں نے کہا: ”کوئی بات نہیں داتا اور دے دے گا۔“ یہ کہہ کر میں پھر یار کے نام کی مala جپنے لگا۔ گاؤں کے اکثر لوگ میرے پاس آتے اور مجھے دیکھتے ہی رونا شروع کر دیتے، کیونکہ میری حالت بھی قابلِ رحم ہو گئی تھی۔ میرے والد صاحب کچھ دنوں کے بعد آتے اور مجھے اچھے اچھے کپڑے اور روپے پیسے دے کر چلے جاتے۔ جب وہ چلے جاتے تو میں وہ کپڑے اور روپے غریبوں کو دے دیتا، یا پھر وہاں رکھے ہوئے گلے میں ڈال دیتا اور خود وہاں بیٹھا روتا رہتا۔ جب والد صاحب دوبارہ آتے تو میں انھیں پہلے سے زیادہ کمزور دکھائی دیتا۔ وہ کہتے: ”بیٹا! کچھ کھایا پیا کرو۔“ لیکن مجھے کھانے پینے کا ہوش کہاں تھا۔

ایک دن میرا بڑا بھائی میرے پاس آیا اور مجھے دیکھ کر اس قدر رویا کہ بچکی بندھ گئی۔ کہنے لگا: ”اب گھر چلو۔“ میں نے کہا: ”ابھی امر نہیں ہے، تم جاؤ۔“ اب تو میں اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے بھی بے نیاز ہو گیا۔ ہمارے رشتہ دار آتے، جھک جھک کر سلام کرتے مگر مجھے کسی کا ہوش نہ تھا۔ بس ایک ہی لگن تھی کہ پیر کامل بن کر ہی جاؤں گا۔ کیونکہ پیر کامل اللہ کا روپ سمجھا جاتا ہے۔ ولیوں کی بڑی شان ہے اور ان کے ہاں ایک لمحہ گز ارنا بھی سوال کی عبادت سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے یہ شعر بہت مشہور ہے۔

یک زمانہ صحبت باولیاء
بہتر از صد سالہ اطاعت بے ریاء

منزل کی قربت کا اشارہ ہوا مگر ابھی تو وہ بہت دور تھی:

میرا زیادہ تر وقت اولیاء کے سامنے تلے ہی گزرتا تھا، اس سے بڑھ کر اور میرے لیے کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی۔ ایک دن ہلکی سی بشارت ہوئی کہ مکی شاہ صاحب کے دربار پر حاضری دو۔ دل میں سوچا کہ نمبر آنے والا ہے اور منزل قریب آگئی ہے، جانے کے لیے اٹھا تو میری جوئی غائب تھی، میں اسی طرح پیدل ہی چل دیا، سورج نصف النہار پر اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور سڑکیں آگ اگل رہی تھیں۔ میں دنیا سے بے زار تپتی ہوئی ننگی سڑکوں پر نگے پاؤں چل رہا تھا، پاؤں سلگ رہے تھے مگر انجام سے بے خبر چلتا رہا۔ پیر کی صاحب کے دربار کے پچھلی جانب ایک چھوٹا سا قبرستان ہے، جب میں وہاں پہنچا تو قبرستان میں میں بیٹھے ہوئے ایک بہت موئے تازے ملنگ نے اوپنی آواز میں مجھے میرا نام لے کر پکارا۔ میں حیران تھا.....! انہوں نے کہا: ”جلدی آ جا میں تیرا ہی انتظار کر رہا ہوں۔“ (بعد میں پتا چلا کہ ولایت کی دھاک بیٹھانے کے لیے ایسے کاموں کے لیے باقاعدہ خفیہ ایجنسٹ رکھے ہوئے ہیں)

کانٹوں پر چلتی ہوئی آئی تیرے گاؤں میں
دیکھ بلم تیری قسم چھالے پڑے پاؤں میں

میں نے دل میں کہا کہ بزرگ دلوں کا بھید جانتے ہیں۔ جب میں ان کے قریب گیا تو عرض کی: ”کیا حکم ہے بابا حضور! میرے لیے؟“ انہوں نے کہا: ”ابھی امر نہیں ہے۔ مکی صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسے وہیں روک دو، یہ آگے نہ آئے۔“ میں بہت رویا، سوچا کہ ابھی منزل کچھ دور ہے۔ کیونکہ سنا ہے کہ جب عشق ہائی ڈگری پر پہنچا ہو تو معشوق قریب نہیں آنے دیتے، خواہ کتنے ہی دکھ اٹھائے ہوں۔ تو میں نے بھی یہی خیال کیا کہ اپنا عشق بھی اس وقت

سدراہ امتنی تک پہنچا ہوا ہے اور کمی شاہ صاحب نے اسے بذریعہ بشارت اطلاع کر دی ہو گی۔

ابھی جھاڑو دینے اور حضرت کا تھوک کھانے کی منزیلیں باقی تھیں:

اب میں نے عرض کی: ”حضرت صاحب! اب مجھے کیا کرنا ہو گا.....؟“ انہوں نے کہا: ”جھاڑو پکڑو اور قبرستان کی صفائی شروع کرو۔“ میں نے دو تین گھنے خوب کام کیا اور قبروں کی صفائی وغیرہ کر دی، پھر ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا: ”آقا! اب کیا حکم ہے؟ انہوں نے ایک پیالی میں تھوکنا شروع کر دیا، جب پیالی آدھی ہو گئی تو فرمانے لگے: ”لو! اسے پی جاؤ.....“ اب میں جانتا تھا یا میرا اللہ کہ میری کیا حالت ہوئی مگر معرفت میرے جسم میں رپی بسی تھی۔ سوچا کہ یہ میرا امتحان ہے۔ یہ بھی سن رکھتا ہاکہ بزرگ چاہیں تو چاہوں کو کیڑے اور گندگی کو مٹھائی میں تبدیل کر سکتے ہیں، شاید یہ بھی اسی طرح ہی کا کوئی معاملہ ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، مجھے اسی پر گزارہ کرنا پڑا، جیسے تیسے کر کے نگل گیا (یا اللہ! جہنم کی خوارک دنیا میں کھائی، آگے معاف کر دینا)۔ زیادہ کام کی وجہ سے میں کچھ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ چاہتا تھا کہ تھوڑا سا آرام کر لوں لیکن بابا حضور نے ایک اور ڈیوٹی میرے ذمہ لگائی، فرمانے لگے: ”یہ گھڑا پکڑو اور درختوں کو پانی دو۔“ دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ طارق میاں! کہاں پھنس گئے ہو!! لیکن دوسرے ہی لمحے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور لا جوں پڑھا اور نئے جذبے سے گھڑا پکڑا اور پانی بھرنا شروع کر دیا اور یہ بات تو مجھے معلوم ہی تھی کہ

نماز شرع میں اٹھنا بیٹھنا تو ہے لازم

نماز عشق میں دم بھر کہیں قیام نہیں

میرے سر پر پانی کا گھڑا، پاؤں نگکے اور جلتی سڑکیں تھیں، جس کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مگر ”نگاہ عشق و مستی“ میں ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ میں گھڑا ہاتھ میں پکڑ کر چل رہا تھا اور اپنے آپ سے با تین کرتا جا رہا تھا کہ طارق! یہ بھی تیری

خوش قسمتی ہے کہ تجھے می شاہ صاحب کا مشکل بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے!! اب میں تھا..... یا..... پانی والا گھڑا تھا۔ (یہ گھڑا سوتھی کے گھڑے کی طرح کچانہیں تھا جو ٹوٹ جاتا، بڑا مضبوط تھا) میں نے دو تین گھڑے ایک درخت کے گرد بننے ہوئے دائرے میں ڈال دیئے مگر وہ چھوٹا سا دائرہ بھرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

میں نے آٹھ دس گھڑے اور ڈال دیئے، یہ چھوٹا سا درخت وہ بھی پی گیا۔ میں بہت حیران ہوا کیونکہ میں اسے بھی ایک بہت بڑی کرامت سمجھ رہا تھا۔ ویسے میرا جنم میرا ساتھ چھوڑ گیا اور میری ٹانگیں بھی لڑکھڑا نے لگیں۔ میری یہ حالت دیکھ کر بابا حضور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، پھر فرمانے لگے: ”اب بس کرو۔“ میں نے گھڑا رکھ دیا اور عرض کی: ”یا حضرت! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟“ کہنے لگے: ”اب تم ذرا آرام کرلو.....“ شام ہونے کو تھی، جوں جوں اندر ہمرا بڑھتا جاتا مجھے کچھ خوف سامحسوں ہونے لگا۔ مگر پھر میں نے دل کو تسلی دی کہ تیرا تو بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ جانتا نہیں تو داتا صاحب کا بندہ ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ قبرستان کے گرد چار دیواری ہے، جس کے ساتھ گندے پانی کا نالہ گزرتا ہے اور وہ سارا پانی جو میں درختوں کو ڈالتا تھا اس نالے میں گرتا جاتا تھا۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھی۔ آخر رات گھری ہوتی گئی، میں بابا حضور سے پوچھتا: ”اب اجازت ہوئی ہے یا نہیں؟“ کیونکہ میں دربار پر سلام کرنا چاہتا تھا، تو وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو جاتے اور جس طرح ٹیلیفون کرتے وقت ہیلو ہیلو کرتے ہیں، اسی طرح وہ ہیلو ہیلو کرتے اور مجھے یوں معلوم ہوتا جیسے وہ کسی صاحب سے کال ملا رہے ہوں۔ میں کھڑا انتظار کرتا اور انتظار تو آپ جانتے ہی ہیں کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ہر حال وہ مجھے کہتے: ”ابھی امر نہیں ہوا۔“ میں تھوڑی دیر بعد پھر سوال کرتا، وہ پھر اسی طرح ٹیلی فون کرتے اور میں شدت کے ساتھ اپنی باری کا انتظار کرنے لگتا۔

پھر میری آس بندھا کر مجھے مایوس نہ کر

عشق کو عشق سمجھ مشفلہ دل نہ بنا
والی بات ہو جاتی اور وہ کہتے: ”ابھی امر نہیں ہوا۔“ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ جاتا اور
اپنے آپ کو کوئے لگتا اور کہتا کہ طارق! تیرے ہی عشق یا عقیدت میں کوئی کمی رہ گئی ہے جو
حاضری قبول نہیں ہو رہی۔ ہجر کا درد اور وصال کا شوق مجھے کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا۔ میں
تگ آکر پھر سوال داغ دیتا اور کہتا: ”قبلہ! ذرا ٹیلیفون کر کے پتا کرنا اور کمی شاہ صاحب سے
عرض کرنا کہ مجھے آگے آنے کی اجازت دی جائے۔“ اس پر وہ حضرت مجھے بڑی طرح ڈانٹ
پلاتے اور غصے سے لال پیلے ہو کر کہتے: ”وہاں تو چڑی بھی نہیں پھکتی، وہاں تو کسی کو دم مارنے
کی مجال نہیں، کہیں تم ولایت سے میرا پتا بھی نہ کٹوادینا، خاموش رہو۔۔۔۔۔“ میں مارے ڈر
کے سہم جاتا۔ داتا صاحب کے دربار پر تو میں اپنے آپ کو جرا جانے پر مجبور کرتا تھا، مگر یہاں
تو نیند بالکل ہی اچاٹ ہو گئی تھی۔ اب بابا حضور نے مجھے حکم دیا: ”سو جاؤ،“ نہ کوئی چار پائی اور
نہ کوئی بستر دیا۔ فرمانے لگے: ”قبر کے ساتھ ہی زمین پر لیٹ جاؤ،“ ”حکم حاکم مرگ
مفاجات“ میں لیٹ گیا۔ مرنے کے بعد پتا نہیں قبر نصیب ہو گی کہ نہیں زندگی میں ہی میں نے
قبر کا نظارہ کر لیا۔ اب نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ آنکھیں ٹیلیفون کے انتظار میں کھلی تھیں۔

مرنے کے بعد بھی میری آنکھیں کھلی رہیں
عادت جو پڑگئی تھی تیرے انتظار کی
ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی، علی اصح پیر و مرشد نے پھر کھڑا کر لیا اور صفائی وغیرہ پر
مامور کر دیا۔

بابا جی کے احکامات

بابا جی اپنے تخت پر بیٹھے بیٹھے مجھے مختلف قسم کے احکامات صادر کرتے تھے جن پر مجھے ہر
حال میں عمل کرنا ہوتا تھا۔ بصورت دیگر مستقبل میں حاصل ہونے والی ولایت سے ہاتھ دھونا

پڑتے۔

پہلا حکم مجھے غسل دو:

صفائی سے فارغ ہوا تو بابا جی نے پانی لانے کو کہا۔ میں پانی لے آیا، انہوں نے حکم دیا کہ مجھے نہلاو۔ میں نے خوب اچھی طرح حضرت صاحب کو غسل دیا۔ سورج کی کرنیں اپنی تیز روشنی سے اجالا پھیلانے لگیں۔ کچھ بعد وہاں لوگ آنا شروع ہو گئے، اپنی اپنی حاجات پیش کرتے اور من کی مراد یہ پاکروپاں چلے جاتے، مگر اپنے من کی دنیا تو بدستور ویران تھی۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے، میں اسی طرح روتا دھوتا رہا مگر امر نہ ہوا۔ مگر پھر بھی میرے شوق وصال میں کوئی فرق نہ آیا۔ کچھ لوگ آکر مجھے کہتے: ”بابا جی کی خدمت کرو، تر جاؤ گے، بہت کچھ ملے گا۔“ لوگ بھی کبھی بابا حضور سے چھیڑ چھاڑ کرتے تو وہ بہت گندی گندی گالیاں دیتے اور گالیاں بھی ایک دیتے کہ سننے والا انسان غیرت سے مر جائے۔ مگر وہاں بے غیرت ہو کر رہنا ہی باعث سعادت سمجھا جاتا ہے۔ کچھ اس قسم کی عنایات کی بارش عموماً مجھ پر بھی ہوتی رہی تھی۔ وہ جتنی گالیاں دیتے، لوگ سمجھتے کہ ان کا کام اتنا ہی پختہ اور جلدی ہو جائے گا۔ وہ لوگ کہتے تھے: ”بابا حضور کی گالیاں تو جنت کا نکٹ ہوتی ہیں۔“ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ در پرده بابا سے ملے ہوئے تھے۔ ویسے ایک گھر وہاں ایسا تھا جو بابا کو بھی گالیاں دیتا تھا اور بابا جی اس گھر کے افراد سے کچھ کنی کرتا تھا تھے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بابا حضور کی برداشت ہے، ورنہ یہ انھیں ایک ہی نظر سے زندہ جلا سکتے ہیں۔ بہر حال میں بھی انھیں اولیاء کا گستاخ کہہ کر دل کو تسلی دیتا تھا۔ ایک دفعہ آدمی رات گزر چکی تھی کہ مجھے فرمانے لگے: ”پانی لا کر مجھے نہلاو۔“ میں نے انھیں نہلا�ا۔

دوسرہ حکم بیلیوں کا بچہ بیلیوں والی سرکار کے پاس چھوڑ کر آو:

نہلانے کے بعد ایک بیلی کا بچہ میاں میاں کرتا آیا، مجھے حکم ملا: ”اسے کپڑا اور بھائی

دروازہ جا کر بلیوں والی سرکار کے ہاں چھوڑ آؤ۔” میری جانے بلا کہ بھائی دروازہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کی: ”سرکار! بھائی دروازہ کدھر ہے؟“ انہوں نے تھوڑی بہت نشان دہی کی۔ جب میں گلیوں سے ہوتا ہوا سڑک پر پہنچا تو اب سڑک عبور کرنا تھی۔ میں ٹریفک کی پرواکے بغیر چلنے لگا تو ایک آدمی نے بازو سے کپڑ کر کہا: ”ارے خود کشی کا ارادہ ہے۔“ میں نے کہا: ”کیوں کیا بات ہے؟“ بہر حال اس نے مجھے سڑک پار کر دی۔ میں نے اس سے پوچھا: ”بھائی کدھر ہے؟ کہنے لگا: ”اتنے بڑے ہو گئے ہوا بھی تک بھائی کا بھی پتا نہیں چلا۔“ اسے کیا پتا تھا کہ گرمی اور خشکی سے اور اس جبر مسلسل کی وجہ سے میرا کیا حال ہے۔ بہر حال پوچھتا پوچھتا میں بلی کا بچہ چھوڑ کر واپس آ گیا۔ بابا جی کہنے لگے: ”کہاں مر گئے تھے، اتنی دیر کیوں غیر حاضر ہے؟“ میں نے عرض کی: ”آقا! آپ نے ہی تو بھائی دروازہ میں بلیوں والی سرکار کے پاس بھیجا تھا۔“ کہنے لگے: ”اچھا ٹھیک ہے، اب تم راوی دریا پر جاؤ۔“ میں نے عرض کی: ”مرشد جی! راوی کدھر ہے؟“ مجھے واقعی کچھ پتانہ تھا۔ کہنے لگے: ”اچھا اب قبر کے ساتھ جا کر لیٹ جاؤ۔“ میں لیٹ گیا، چھوٹے چھوٹے سانپ میرے اوپر نیچے دوڑنے لگے، میں مارے ڈر کے کانپ اٹھا، بابا حضور ہنسنے لگے پھر انھیں مخاطب کر کے کہتے: ”بھئی! اسے نگ نہ کرو، یہ اپنا ہی آدمی ہے۔“ اور یوں وہ مجھ پر اپنی کرامت کا رعب ڈالتے۔ اس پر میرا بیمان بابا جی کے اوپر بھی پکا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ سارا مداریوں والا کھیل تھا۔ ایک دن میں نے عرض کی: ”حضرت صاحب! اب میری منزل کتنی دور ہے؟“ فرمانے لگے: ”معاملہ کی شاہ صاحب کے پاس ہے، آگے وہ جانیں اور ان کا کام، مجھے تو جو حکم ملا تھا تمھیں بتادیا۔“

تیسرا حکم.....میرا فضلہ اٹھاؤ:

”اچھا اب تم یہ گندگی اٹھاؤ اور باہر چھیک دو۔“ انہوں نے اپنے نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بابا حضور اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ ایک

قدم چلنے کے بھی قابل نہیں تھے اور جس لکڑی کے پھٹے پر جلوہ افروز تھے اسے درمیان سے کاٹ کر سوراخ کیا ہوا تھا اور یہیں سے قضاۓ حاجت کرتے تھے۔ بسیار خور اور بلا نوش ہونے کی وجہ سے اجابت با فراغت کرتے تھے، جس کی وجہ سے گندگی کا کافی بڑا ڈھیر ان کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ جس میں زہر یا لیلے کیڑے بچھو وغیرہ پروردہ ہوتے رہتے ہیں۔

تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان ہمیشہ ایسی جگہوں پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء)

مگر مجھے اس وقت معلوم نہ تھا۔ بہر حال میں نے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات تو تخریم نے پہلے سے سن رکھی تھی کہ بزرگ آزمانے کے لیے گندی چیزیں کھانے کا بھی حکم دیتے ہیں۔ اگر کھالی جائیں تو بیڑا پا، اگر نفرت کی جائے تو آدمی ولایت کی گاڑی سے رہ بھی جاتا ہے۔ یہ سنا بھی تھا اور اس سے پہلے کچھ عملی طور پر کیا بھی تھا۔ بہر حال میں وہ گندگی صاف کرنے لگا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے وہ سارا گند صاف کیا اور اگر وہ حکم دیتے تو میں وہ گندگی کھانے سے بھی گریز نہ کرتا۔ جو حضرات اس شہر معرفت کی سیر کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھیں کہ پہلے ان کا ایسے حالات سے گزرنا ناگزیر ہے، بصورت دیگر اولیائی کی گیڈر سنگھی ہاتھ نہیں لگے گی، جو حضرات ایسا کر سکتے ہیں وہ بخوبی اس میدان میں اتریں۔ وگرنہ۔

جس کو ہو جان و دل عزیز

وہ اس کی گلی میں جائے کیوں

شاید بابا حضور بھی عفت و عصمت کی چادر اتار کر ہی اس منزل تک پہنچے ہوں گے اور جب پہنچ چکے تو دیکھو کس طرح اپنے تخت پر بر اجمان ہو کر لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرتے ہیں۔

عجیب تبرک

یہاں ایک اور بات عرض کر دوں کہ بابا حضور کبھی کبھی سوائے قیص کے اور کوئی کپڑا نہیں

پہنچتے تھے اور جو بھی مردوں زن یہاں آتے وہ بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگ حضرت کے ننگے بدن سے چیزیں لگا کر کھاتے یا متبکر سمجھ کر گھروں میں لے جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ با مراد واپس جا رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کی اکثریت کو کہیں جا بیل اور کہیں بے علم کہا ہے۔ اب بھی اکثریت کی حالت دیکھ کر رونا آتا ہے۔ بقول شاعر

سوچتا ہوں روؤں دل کو کہ پیوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
اے اللہ! تیرا شکر ہے، بے حد احسان ہے تیرا کہ تو نے مجھے تو حید کی سمجھ عطا کر دی
و گرنہ..... ع

نہ خوش ہے یہ جہاں مجھ سے، نہ خوش ہے وہ جہاں مجھ سے
والی بات ہوتی۔ دنیا اور آخرت میں ملعون ہو جاتا۔ (أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ ثُمَّ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ)
ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضرت صاحب مجھے گندگی کھانے کا بھی حکم دیتے تو میں گریز نہ
کرتا کیونکہ میں توہر قیمت پر وہ مقام حاصل کرنا چاہتا تھا، جہاں ”قُمْ بِإِذْنِنِي“ اور ”قُمْ
بِإِذْنِ اللَّهِ“ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

حصول ولایت کے لیے میں اپنے گوشت کا نذرانہ دینے کو بھی تیار بیٹھا تھا..... مگر.....؟
اہل معرفت و طریقت پر یہ خیال غالب ہے اور اس بات پر ان کا ایمان ہے کہ جو شخص
اس ولایت کی اڑن طشتی پر بیٹھ جاتا ہے پھر تقدیر کا حکم اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہ جو
چاہے تقدیر لکھ دے اور جب چاہے اللہ تعالیٰ کے لکھے کو مٹا دے اور میں اس مقام کو حاصل
کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کو تیار تھا۔ اسی خیال سے میں نے ایک
دن ایک چہری پکڑی جو بابا مرشد کے پاس پڑی ہوئی تھی اور عرض کی: ”قبلہ! اگر حکم کریں تو
میں اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر پیش کروں اور اگر ارشاد کریں تو میں اپنی آنکھیں نکال کر حضور
کو پیش کروں۔ آپ ایک بار کوئی قربانی مانگیں تو سہی.....، (کیونکہ میں جانتا تھا کہ وفا کی

دنیا میں اپنے آپ کو سچا عاشق یا مجنوں ثابت کرنے کے لیے ران کا گوشت تو دینا ہی پڑتا ہے، جس طرح لیلیٰ مجنوں کا قصہ مشہور ہے) تو اس پر میرے قبلہ مسکرانے لگے اور فرمایا: ”تو نے منزل پائی، تو نے منزل پائی۔“ میں بہت خوش تھا، پھر میں نے عرض کی: ”بابا جی! اب ٹیلیفون کر کے پتا کریں اور عرض کریں کہ کیا میں اب آسکتا ہوں؟“ تو وہ فرمانے لگے: ”وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں مگر ابھی اجازت نہیں ہوئی۔“

چوتھا حکم..... بھکاری بن کر بھیک مانگو:

اس طرح کئی دن گزر گئے۔ ایک دن کہنے لگے: ”اوے! ادھر آ، میں دوڑ کر گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، تو حکم ہوا کہ یہ پیالہ لو اور لوگوں سے بھیک مانگنے کے لیے جاؤ!! پہلے تو خوف سے صرف ٹانگیں ہی کا نپ جایا کرتی تھیں..... اب سارا جسم تھرھر کا پنے لگا..... آنکھیں بے نوری ہونے لگیں۔ اس سے پہلے جتنی صعوبتیں میں نے برداشت کی تھیں، یہ بات میرے لیے ان سب سے زیادہ تکلیف دہ تھی..... آج میں نے رونے کی انتہا کر دی۔ میں نے کہا: ”بابا جی! اتنا تو دلیل نہ کرو، مجھے زمین میں گاڑ کر کتوں سے چھاؤ..... مگر..... مگر مانگنے کے لیے نہ سمجھو۔“ میں بابا جی کے پاؤں پڑا..... ہاتھ جوڑ کر منیں کیں..... مگر وہ نہ مانے، کہنے لگے: ”اوپر سے یہی حکم ہوا ہے، یہ آخری سیڑھی ہے، دیکھ لو۔“ میں نے ذلت کی اس کڑوی گولی کو امرت جان کر قبول کر لیا اور ولایت کے آخری سفر کی طرف چل دیا۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا کا سہ بھیک کے لیے لوگوں کے سامنے پھیلایا..... بھکاریوں کی طرح پھرتا رہا..... مانگنا تو آتا نہیں تھا..... بس رورو کر ہاکان ہوتا رہا..... آج میں کھل کر رویا تھا..... آنسو تھے کہ تھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے..... آج آنسو آنکھوں کا حلقة توڑ کر ساون بھادوں کی طرح برس رہے تھے..... یہی آنسو آج بارگاہ ایزدی سے کچھ پانے والے تھے..... میں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: ”اللہ کریم! تو جانتا ہے کہ میری نیت کیسی ہے، تو مجھے اپنے بندوں میں شامل کر لے، جو صحیح راستہ ہے وہ عطا فرمادے۔“ شاید

یہی دعا میرے مولانے سن لی۔ اس ذلت آمیز سفر سے واپس لوٹا تو بھیک مانگ کر جو کچھ جمع ہوا تھا، لاکر بابا حضور کو پیش کر دیا اور عرض کی: ”اے حضور! اب کیا حکم؟“ اس نے پھر گالیاں دینا شروع کر دیں اور تحکمانہ لبھج میں کہنے لگے: ”جو ہم کہتے ہیں وہی کرو۔“

آخر کار مایوس کن جگہ سے مایوس ہی لوٹا پڑا:

میں نے عرض کی: ”بابا جی! ابھی میری منزل کتنی دور ہے؟“ کہنے لگے: ”اوپر سے ابھی کوئی امر نہیں آیا۔“ تو میں سپٹا کر رہ گیا۔ میں نے کہا: ”حضرت صاحب! وہ کون سی خدمت ہے جو میں بجانہیں لایا، کون سی تکلیف ہے جو میں نے نہیں اٹھائی، وہ کون سا ظلم ہے جو میں نے اپنے اوپر روانہیں رکھا، میں نے سنا ہے کہ راجھے نے ہیر کو پانے کے لیے کانوں میں چھید کروائے تھے تو اسے ہیر مل گئی تھی، تم میرے کان کاٹ لو تو مجھے کوئی پرواہیں مگر ساری عمر میں یہاں نہیں رہ سکتا، وہ کام بتائیں جو رہ گیا ہو، میں کرنے کو تیار ہوں، کوئی بڑی سے بڑی قربانی مانگو، پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“ کہنے لگے: ”ابھی کوئی امر نہیں۔“ میں نے کہا: ”کب تک امر ہو گا؟“ کہنے لگے: ”چاہے ساری عمر لگ جائے۔“ مجھے یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی، میں غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا: ”اوہ بابا! تیرا یہ اغرق ہو جائے، تیرا ستیاناس ہو جائے، یہ کون سا طریقہ ہے کہ ساری عمر اسی دشت کی سیاہی میں گزار دی جائے، پھر وہ مجھے سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا: ”بزرگوں کے در پر بیٹھے رہنا چاہیے کبھی تو پوچھیں گے ہی نا؟“ میں نے کہا: ”اگر اسی طرح بیٹھنا ہے تو پھر اپنے گھر نہیں بیٹھ سکتا، پھر تمہارے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ گھر میں ہی بیٹھ کر اللہ کو پکاریں گے، وہ جب بھی سنے گا، بھیک ہے۔ نہ سنے گا تو نہ کہی اور یہ شарт کٹ تو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ منزل پر جلدی پہنچا جائے۔ جب شارت کٹ کے باوجود بھی فاصلہ اتنا ہی رہنا ہے تو تم لوگ کسی مرض کی دوا ہو؟..... لا میری چادر..... ذلیل انسان!“ اس نے میری نئی چادر جو میرے کندھوں پر تھی، یہاں آتے ہی اتار لی تھی۔

میں نے اس پر اب خوب غصہ نکالا۔ پہلے تو بات بات پر یہ حضرت گالیاں دیا کرتا تھا لیکن اب کیا مجال تھی کہ جو آنکھ بھی اوپر اٹھائے..... خاموش! جیسے ماں مر گئی ہو۔ میں نے اپنی چادر چھینی (کیونکہ شرافت سے دینے پر تیار نہ تھا) اور کہا: ”و میں کی شاہ صاحب جا رہا ہوں..... تم روک کر دکھانا..... بے غیرت انسان! تمھاری گندگی اٹھاٹھا کر میرا دماغ خراب ہو گیا، جو ابھی تک ٹھیک سے کام بھی نہیں کرتا۔“ غرض میں اسی طرح بوتا ہوا کی شاہ کے دربار پہنچا اور سلام وغیرہ کیا۔ روتا دھوتا رہا اور گلے شکوے کرنے شروع کر دیے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا داتا صاحب کے دربار پر گیا اور جاتے ہی قبر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں ایسے تڑپ رہا تھا کہ جیسے بن پانی چھلی تڑپتی ہے۔ میں داتا صاحب سے پوچھتا تھا اور کہتا تھا: ”یادا تا.....! مجھے ایک بار اپنی زیارت کرادو۔ اگر میں اس قبل نہیں تو کم از کم آواز دے کر یہی کہہ دو کہ ”طارق! تیری حاضری قبول کر لی گئی ہے۔“ سارے لوگ آپ سے ملاقات کر کے جاتے ہیں، آپ سے باتیں کرتے ہیں، آپ ان کو امر دیتے ہیں، مجھ سے کیوں نہیں بولتے؟، کئی روز اسی رونے دھونے میں گزر گئے مگر جواب نہ ملا۔ اب میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ایک دن ننگ آ کر میں نے کہا: ”داتا صاحب! میرے ساتھ کھری کھری بات کرو، صاف صاف کہہ دو کہ میں تجھے کچھ نہیں دوں گا۔ اگر سائل کو خیرات نہ دینی ہو تو کم از کم اسے اتنا تو کہہ دینا چاہیے کہ معاف کرو،“ مگر ساری باتیں بے سود ثابت ہوئیں۔ میں نے بڑی منت سماجت کی اور عرض کی: ”یا داتا! کچھ تو دو، کچھ تو بولو؟“ مگر وہاں تھا ہی کیا جو ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوْهُمْ عَادَةً كُفَّارُ لَوْلَوْ سَيَّعُوْمَا مَا سَتَّجَ بَعْدَ الْكُوْتَبِ ﴿١٤﴾

(فاطر: ١٤)

”(اے لوگو!) اگر تم جوان (قبر والوں) کو پکارتے ہو تو یہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے اور (فرض کرو) اگر یہ سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔“
مگر میرا کیا واسطہ تھا قرآن سے جو مجھے اس بات کا پتا چلتا، واقعی میری التجاکسی نے نہ سنی

اور نہ جواب دیا۔ میں نے شکایت کے انداز سے کہا: ”داتا صاحب! ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں مگر یہاں تو بے اصولی کی حد ہو گئی ہے۔ بھلا گھر بلا کر کوئی کسی کو اس طرح ذلیل کرتا ہے؟ میں نے تمھارا کیا بگڑا؟ جو مجھے اس طرح رسوا کیا اور ذلت کی کون سی گھرائی ہے جس میں میں نہیں اترتا۔ داتا صاحب! آپ نے اور کمی شاہ صاحب دونوں نے مجھے کیا دیا ہے؟ کچھ تو جواب دو!؟“ مگر وہ دونوں اللہ کے بندے اپنی قبروں میں سوئے ہوئے تھے، انھیں کیا پتا کیا خبر کہ باہر کون آتے ہیں اور کیا کیا فضول حرکات کرتے رہتے ہیں اور لوگ یہاں آ کر کیا کیا گل گل کھلاتے ہیں؟ یہ تو قیامت کے دن ہی پتا چلے گا جب وہ خود کہیں گے۔ ”کیا ہم نے آپ لوگوں سے کہا تھا کہ فوت ہونے کے بعد ہمیں پکار کرنا؟..... یا مدد مانگنا؟“ بہر حال میں بہت شرمندہ ہو کر اٹھا اور شکوئے شکایت کرتا ہوا گھر واپس آ گیا۔

آہ! لوگ میری پستی کو ولایت کی معراج سمجھ بیٹھے:

دل سے شرک کا بھوت ابھی نکالا نہیں تھا، بھوکا پیاسا سارہ کر میرا رنگ زرد سا ہو گیا تھا۔ جب خون ہی نہ رہا تو رنگ تو زرد ہونا ہی تھا۔ اب لوگ مجھے دیکھ کر سجحان اللہ! سجحان اللہ! کہہ رہے تھے۔ کوئی میرے ہاتھ چوم رہا تھا، کوئی پاؤں پڑ رہا تھا اور کوئی کہہ رہا تھا: ”سجحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا ہے۔“ مگر کون جانے اور کسے معلوم کہ یہ نور مجھے کن کن خرافات سے گزرنے کے بعد ملا تھا۔ وہ میری زرد رنگت کو چہرے کا نور سمجھ رہے تھے۔

اب یہاں صورت حال یہ تھی کہ کہیں لا ڈسپیکر پر میری ولایت کا اعلان ہو رہا ہے، کہیں میرے ولی بن جانے کی خوشی میں دیکھیں چڑھائی جا رہی ہیں، کوئی حاجت روائی کے لیے پاؤں پڑ رہا ہے اور کوئی دعا کے لیے نتیں کر رہا تھا..... اب میں کھسیانی بلی کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کیونکہ مجھ میں ولی اللہ ولی کوئی بات تو ہے نہیں..... اب ان لوگوں کو کیا کہوں۔ ایک آیا اور کہنے لگا: ”بابا جی! مجھے ایک لڑکی سے محبت ہے..... دعا کریں یا کوئی توعید وغیرہ دے دیں..... بس میرا کام بن جائے۔“ میں نے سوچا کہ نہ معلوم معرفت کی دنیا

میں شاید اسی قسم کا کورس کیا جاتا ہے کہ لوگ ہر جگہ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ تھا کہ اب تک میری نیت خالص رہی تھی، میں لاچی، دھوکے باز اور مکار نہیں تھے، لوگ جس طرح مجھے ولی مان رہے تھے اور پوچا پاٹ تک تلے ہوئے تھے، میں تھوڑا سا ڈرامہ رچا لیتا تو آج دولت کی ریل پیل ہوتی۔ لوگوں کا تو یہ حال تھا کہ ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا سمجھ دار آدمی قرآن اٹھا کر کہنے لگا: ”میں تو آپ کو ولی کامل مانتا ہوں۔“ میں نے اسے کہا: ”نہیں بھائی ایسی کوئی بات مجھ میں نہیں ہے۔“ مگر ان باقتوں سے میں ان کے یقین کو نہ بدل سکا، وہ اسے میری کسر نفسی سمجھتے رہے۔

مایوسی کے بعد امید کی کرن.....:

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا، لوگ مجھے بہت کچھ سمجھ رہے تھے، مگر مجھے معلوم تھا کہ میں نے روحانیت کے نام سے اب تک جو کچھ کیا ہے، وہ سوائے کرتب کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اب مجھے اپنا وہ اہل حدیث دوست یاد آنے لگا جس کا گھر میرے گھر کے ساتھ ہے۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا۔ جب میں گیارہویں شریف کا ختم بڑے اہتمام کے ساتھ دلایا کرتا تھا اور اسے بھی اس ختم میں مدعو کرتا تھا، تو وہ بہت لیت و لعل سے کام لیتا تھا، جس پر میں اس سے سخت ناراضی کا اظہار کرتا اور اسے مزید غصہ دلانے کے لیے ”یا علی مدد“ کا نعرہ بلند کر دیتا، اس پر اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ جاتیں اور میں اسے اور زیادہ جلی کٹی سناتا، مگر وہ اس پر مجھے قرآن کی آیات اور احادیث سناتا، شرک سے ڈراتا اور اللہ کی عظمت و جلال سے آگاہ کرتا اور میرے ہر نئے تکلیف وہ رویے پر ہمیشہ درگز رستے ہی کام لیتا۔ اب ایک طرف اہل دربار اور اصحاب طریقت کی پستیاں تھیں، جن سے میں گزر چکا تھا اور دوسری طرف یہ اعلیٰ کردار اور اخلاق!! ان سے اب میرے دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن بزرگوں کے ڈر سے اپنی نفرت کو دبائے ہوئے تھا مگر اب جب اپنے اس دوست کی باقتوں پر غور کرتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرے تاریک سینے میں روشنی کی کوئی کرن داخل ہو جائے گی اور پھر ابھی تک میرے

اس اہل حدیث دوست نے بھی تو میری جان نہ چھوڑی تھی۔ یہ متواتر مجھے ہدایت کی طرف بلائے چلا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میں آخر کار اللہ کریم کی توفیق سے ہی اس کی ذات اقدس سے ڈر گیا اور جو نبی اپنے رب سے ڈرا تو غیر اللہ کا ڈر دل سے کافور ہو گیا۔ اللہ کریم نے میرے دوست عبداللطیف کی دعاوں کو سن لیا، جو وہ میری ہدایت کے لیے اس وقت سے کیا کرتا تھا جب میں میرک کے بعد ”ولایت کے باعث ارم کی سیر“ کے لیے درباروں کی طرف چل لکا اور وہ قرآن و حدیث کا علم سیکھنے کے لیے مدرسوں کی طرف چلا گیا تھا۔

اب توحید و سنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت ہوتی گئی، پھر میری زندگی میں ایک دن وہ بھی آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاد حسیٰ عظیم نعمت کی سعادت سے سرفراز فرمایا اور مولانا امیر حمزہ صاحب کے ہمراہ جہاد افغانستان میں حصہ لیا، جہاں میرا ذہن اور زیادہ واضح ہو گیا اور پتا چلا کہ ولایت جس کے لیے ہم رسوا ہوتے رہے، وہ تو یہاں عقیدہ توحید کے ساتھ میدان جہاد میں ملتی ہے۔

اصلی داتا دربار کی تعمیر

اللہ ہی داتا ہے اور اس کا دربار مسجد ہے۔ چنانچہ افغانستان سے واپس آنے کے بعد ہم نے ابتدا میں عبداللطیف صاحب کے گھر میں ہی ان کی اقتدا میں نماز پنجگانہ کے ساتھ جمعہ بھی شروع کر دیا اور پھر چند ماہ بعد اللہ کی توفیق سے ہم نے گاؤں میں ایک مسجد بنائی جس کا سنگ بنیاد پر وفیسر حافظ محمد سعید رض نے رکھا۔ مسجد کا بننا تھا کہ خانقاہی و درباری نظام کے علمبرداروں نے آسمان سر پر اٹھالیا، مسجد کو گرانے کی سازشیں شروع ہو گئیں۔ کچھ لوگوں نے ہم دونوں کے قتل کے پروگرام بنائے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا پھر جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو ہم نے مولانا محمد حسین شیخوپوری رض کا افتتاحی جلسہ کروایا، جس کی صدارت جامعہ محمدیہ شاہکوٹ کے بانی اور سابق چیئرمین محمد ارشد ساہی صاحب نے کی، جنہوں نے جلسے سے خطاب بھی کیا اور اپنے اہل حدیث ہونے کا ایمان افروز واقعہ بھی بیان

کیا اور لوگوں کو دامن تو حیدھا منے کی دعوت دی۔

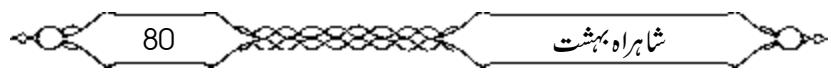
اب محمد اللہ گاؤں کے لوگ جو حق کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور باطل کا
اندھیرا رفتہ رفتہ چھٹا جا رہا ہے اور اسے تو آخر ایک دن چھٹنا ہی ہے اور حق کو غالب آنا ہے۔
جیسا کہ رب السموات والارض نے قرآن میں یہ فیصلہ دے دیا ہے:

جَاءَ الْحَقُّ وَرَهِيَ الْبَطْلُ إِنَّ الْبَطْلَ كَانَ زَهْوًا

(بین اسرائیل ۱۸۱)

”حق غالب آ گیا اور باطل بھاگ گیا اور بے شک (جھوٹ) باطل کو بھاگنا ہی
ہوتا ہے۔“





باب نمره ۳

عیسا یوں اور مسلمانوں کی نعمتیں

حضرت محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کو "اللہ" بنانے کی ایک جیسی کوششیں

یہ دیکھیے! عیسا یوں کا جلوس نکل رہا ہے..... یہ لاہور ریلوے سٹیشن کے بڑے چرچ سے نکلا ہے..... مال روڈ پر آچکا ہے..... ان کا بسپ آگے آگے ایک ڈولی میں کھڑا ہے..... نوجوان اسے اٹھائے ہوئے ہیں..... پچھے پچھے عورتیں ہیں..... پچھے ہیں، نوجوان ہیں..... "یسوع مسیح کی بیتے" کے نعرے لگا رہے ہیں، لوگ ناق رہے ہیں، ڈانس کر رہے ہیں، گا رہے ہیں، کیتھرل چرچ میں جب میں ۲۵ دسمبر کو گیا تو وہاں عورتیں، مرد اور بچے سب اکٹھے تھے، ڈھول نج رہا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کا جشن منایا جا رہا تھا، نعمتیں پڑھی جا رہی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے چند ایک بطور نمونہ یہ ہیں:

جادو سرول کا چھا گیا:

ساز اٹھاؤ، طبلے بجاو، جادو سرول کا چھا گیا

.....
گیت گاؤ، خوشیاں مناؤ، یسوع جہاں میں آگیا
آنکھوں سے سب کے آنسو تھے بہتے

چپ چاپ غموں سے تھے وہ سہتے
خوابوں کی چادر بنتے تھے رہتے
ساز اٹھاؤ، طبلے بجاو، جادو سروں کا چھا گیا

یسوع کو اپنے دلوں میں بسا کر
آنکھوں میں اس کی محبت سجا کر
گناہوں کے اندر ہیرے مٹا کر
دکھی دلوں کو اجائے میں لا کر
ساز اٹھاؤ، طبلے بجاو، جادو سروں کا چھا گیا

آؤ موج منا یے:

اب ایک ریکارڈ شدہ پنجابی نعت سنئے جسے الیاس اور شازیہ نام کے گلوکاروں نے گایا
ہے۔

فیر ویلا خوشیاں دا آیا، آؤ موج منا یے
اج یسوع دنیا تے آیا، آؤ بھنگڑے پا یے
سماڑے لئی اج رب نے ویکھو کیسا کم وکھایا
آپے تھلے آیا
جبویں روپیس پیار سی پایا، آؤ پیار ودھا یے
پھر ویلا خوشیاں دا آیا، آؤ موج منا یے
وڈا دن منا یے
اج یسوع دنیا تے آیا، آؤ بھنگڑے پا یے
قارئین کرام! جب طبلے کی تھاپ پر مرد اور عورت کا یہ مشترکہ گیت گایا جائے اور باقی

لوگ ایسے ہی بھگڑے ڈالیں، عبادت کا ایسا انداز اپنائیں گے تو ظاہر ہے نتیجہ کیا نکلے گا؟

تجھے جب بھی پکارا:

اب ان نعمتوں سے چند شرکیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

تو ہے یسوع بن کے آیا میرے لیے
تو نے روشن کر دیے دونوں جہاں میرے لیے
تو ہے میری زندگی تو ہے میری بندگی
تو جسے مل جائے حاجت کوئی رہتی نہیں
نیا میری منجھدار میں ڈوبی، کون لگائے پار؟
کھیون یسوع ہو سکتا ہے تیری نیا کی پتوار
امیدوں کے گلشن کو تو نے سنوارا
مسیحنا تجھے جب بھی پکارا
آؤ سارے رل مل گائے
یسوع ساڑا شافی اے
اوہ ساڑا کھا سجنو، اوہ دے نا وچ معانی اے
اپنیاں بھیڈاں نوں او ول کے
ہر تھاں آپ بچاوے گا

عیسائیت کا پیغام مسلمان فنکاروں کے ذریعہ:

عیسائی لوگ بڑے طریقے سے اپنے نام کا لیبل لگائے بغیر ایک کیسٹ بازار میں لائے ہیں۔ کیسٹ کا عنوان ہے: ”حمد خدا“، انبیائے کرام اور بزرگوں کے گیت، جدید شاعری اور طرزوں میں..... اب اس کیسٹ میں ریکارڈ شدہ چند گیتوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے!
عاجزی کی دعا (زبور شریف سے)..... مہدی حسن

شاهراد بیشت

85

حضرت داؤد علیہ السلام کا گیت (زبور شریف سے) ترجم ناز

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گیت (زبور شریف سے) غلام عباس

حضرت مریم علیہ السلام کا گیت (نجیل شریف سے) مہناز

راست باز آدمی کی خوبیاں (زبور شریف سے) مہناز

میں خدا کی ثنا (قوالی) (تورات شریف سے) نصرت فتح علی خان

غور فرمائیے! ان گیت گانے والوں میں اپنے آپ کو مسلمان کھلانے والے بھی شامل ہیں۔ لیکن اس نسبت کی انھیں پرواہ نہیں۔ ان ظالموں کو پیسا چاہیے۔ پیسے کے لیے یہ لوگ فاشی اور بدکاری تو پہلے ہی پھیلا رہے ہیں، اب پیسے لے کر عیسائیوں کا پیغام بھی پھیلا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میلادی مولوی اور صوفی کو پیسے کے پیش نظر دین کی کوئی پرواہ رہے، چاہے اس کے لچھن عیسائیوں کی نقل ہوتے چلے جائیں، تو پھر ان گانے والے بھائیوں کو کیا پرواہ سکتی ہے؟

اب مسلمانوں نے بھی سازوں اور طبلوں پر نعمتیں گانا شروع کر دی ہیں۔ ویگوں اور بسوں میں دعوت اسلامی کی نعمتیں عام طور پر سازوں کے ساتھ سنی جا رہی ہیں اور کئی کتابوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نعمت کو فلاں گانے کی طرز پر گانا ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ ایک بار تورات کا ورق پڑھ رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھ

لیا، آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ ﷺ غصب ناک ہو گئے اور فرمایا:

« وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَأَكُمْ مُّوسَىٰ فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَ

تَرَكُتُمُونِي لَضَلَّلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَ لَوْ كَانَ حَيًّا وَ أَدْرَكَ نُبُوتَى

لَا تَبْعَنِي »

(سنن دارمی، المقدمة، باب ما يتفى من تفسير حديث النبي الخ : ٤٤١)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی

ظاہر ہو جائیں، تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرنے لگو تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پالیتے تو میری ہی پیری کرتے۔“
اے آخری رسول کے امتوں! تم سے پہلے جو قوم گمراہ ہوئی وہ عیسائی ہیں۔ اس قوم کے لوگ اس لیے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا اور کبھی خدا ہی کہہ ڈالا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَقَالَتِ الْمُصَرِّيَّةِ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ
(الْمُتَّفِقَةُ: ۳۰)

”عیسائیوں نے کہا کہ مسیح تو اللہ کا بیٹا ہے۔“

يَا أَيُّهُ الَّهُمَّ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمٍ
(الْمُتَّفِقَةُ: ۷۶)

”بے شک اللہ تو ہی ہے جو مریم کا بیٹا“ مسیح ”ہے۔“

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اس گمراہ قوم کا ایک قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَى بَلَى
(الْمُتَّفِقَةُ: ۶۳)

”بے شک اللہ تین میں کا تیرا ہے (یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس)۔“

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! انہوں سے دیکھو! اللہ عیسائیوں کے گمراہ کن فلسفوں کا تذکرہ کر کے تھیں ڈرا رہے ہیں کہ دیکھنا تم بھی ان گمراہ لوگوں جیسے فسخے نہ بگھارنا شروع کر دینا اور پھر اللہ کے رسول ﷺ نے واضح طور پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى إِبْنَ مَرِيْمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا

عَبْدُ اللَّهِ وَ رَسُولُهُ»

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالیٰ: ”واذکر فی الكتاب مريم اذ انتبذت من اهلها“: ۴۵، ۴۶)

”میری تعریف میں حد سے نہ بڑھنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں عیسائی حد سے بڑھ گے، بس حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہو، تم مجھے اس کا بندہ

اور رسول ہی کہو۔“

قارئین کرام! قرآن ڈرائے، اللہ کا نبی ﷺ خوف دلائے مگر نہ تو پہلے محبان عیسیٰ باز آئے۔ اور نہ اب محبان محمد ﷺ کھلوانے والے ہی رکے۔ اگر انھوں نے عیسیٰ ﷺ کو اللہ کا بیٹا، کبھی اللہ اور کبھی تین میں کا تیسرا کہا تو ہمارے لوگوں نے حضرت محمد ﷺ کو کبھی اللہ کے نور میں سے نور قرار دے دیا، کبھی اللہ ہی کہہ دیا اور کبھی اللہ میں شامل کر دیا یعنی عیسائیوں نے تین کو اللہ مانا تو انھوں نے دو کو معبود بنالیا۔

مسلمانوں کی نعمتوں کے چند نمونے:

قارئین کرام! اب میں آپ کو یہ سارے انداز عشق رسول ﷺ کا عوامی کرنے والوں کے کلام میں دکھلاتا ہوں۔ سب سے پہلے آج کے دور میں بڑے عاشق رسول سمجھے جانے والے احمد رضا خاں بریلوی ہیں کہ جنہیں ان کے ماننے والے ”اعلیٰ حضرت“ کہتے ہیں۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کی تعلیم ہے یا ان کے ماننے والوں کی اپنی اختراع ہے کہ تمام رسولوں حتیٰ کہ آخری نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ صرف ”حضرت“ لکھتے ہیں مگر احمد رضا کے نام کے ساتھ ”اعلیٰ حضرت“ لکھتے ہیں اور یہ پھر بھی عاشقان رسول ہیں!! یہ گستاخ نہیں بنتے، چاہے جو مرضی کرتے پھریں۔ بہر حال یہ تو تھا جملہ مفترضہ۔ آئیے احمد رضا خاں صاحب کا کلام پڑھیں اور عیسائیوں کی نقاوی ملاحظہ کریں جو نعمتوں کے مجموعہ ”حدائق بخشش“ میں گویا ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

(حدائق بخشش: ۱۵، شائع کردہ شبیر برادرز لاہور)

دونوں کے مابین ”میرے تیرے“ کا فرق ختم کرنے کے بعد، اب یہ اعلیٰ حضرت صاحب

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ دونوں کو عرش پر اکٹھا بٹھاتے ہیں

جس کو شایان ہے عرش خدا پر جلوس
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی

(حدائق بخشش: ۲۹)

قارئین کرام! احمد رضا خاں کو عرش پر فقط بٹھانے سے قرار نہیں آیا بلکہ وہ آگے بڑھتا ہے اور یوں رقمطراز ہوتا ہے

ز ہے عزت و اعلمائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد

(مجموعہ نعمت: ۲۰)

یعنی محمد ﷺ کی عزت اور بلندی اس قدر بالا ہے کہ اللہ کا عرش ان کے پیروں تلے ہے۔ اسی طرح بریلویوں کے معروف شعرا کی نعمتوں کو ”نگستان“ کے نام سے شکیل مصطفیٰ نے مرتب کیا۔ اس کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں ۔

مالک کون و مکان ذات رسول عربی
احمد بے میم عیاں ذات رسول عربی

(نگستان: ۳۰)

یعنی ساری کائنات کے وہ مالک ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احمد کی ”میم“، کونکال ”و
”احد“ رہ جائے گا یعنی وہ خود اللہ ہے۔ (نعوذ بالله من ذلك)

اور اعظم چشتی کہتا ہے ۔

وہ خدا نہیں بخدا نہیں
وہ مگر خدا سے جدا نہیں
غور فرمایے! جس طرح عیسائی کبھی تو کہتے ہیں کہ عیسیٰ ہی اللہ ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ

نہیں وہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اس طرح یہ لوگ کبھی تو کہتے ہیں کہ ”احمد“ ہی ”احد“ یعنی محمد ﷺ ہی اللہ ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ تو نہیں گراللہ سے جدا بھی نہیں یعنی اللہ اور محمد ﷺ دونوں کو ایک کر دیا، جس طرح عیسائیوں نے اللہ، عیسیٰ اور روح القدس تینوں کو ایک کر دیا۔

منور بدایوںی ”نور من نور اللہ“ یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے نور میں سے نور ہیں، کا فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں۔

مصطفیٰ کے نور میں ہے ذات باری جلوہ گر
مصطفیٰ کا نور یوں کہیے خدا کا نور ہے

(مجموعہ نعمت: ۲۰۰)

اللہ تعالیٰ ”سورہ نور“ میں فرماتے ہیں:

(السورہ: ۲۳)

نَّدَّهُ نُورٌ أَسْمَوَتْ وَالْأَرْضَ ﴿٢٣﴾

”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“

منور بدایوںی یہاں بھی رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔
تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا دو جہاں کا انتظام
تو زمین کا نور ہے تو آسمان کا نور ہے

(نحلتان: ۱۰۵)

اسی طرح دعوت اسلامی کے سربراہ محمد الیاس قادری رضوی اپنی کتاب ”مغیلان مدینہ“ میں یوں رقمطراز ہیں۔

عرش علی سے اعلیٰ میٹھے نبی کا روپ
ہے ہر مکان سے بالا میٹھے نبی کا روپ

(مغیلان مدینہ: ۳۵)

الیاس قادری صاحب اللہ کے رسول ﷺ کے روٹے کو عرش سے بالا کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے اختیارات بھی نبی ﷺ کو سونپ رہے ہیں۔ ذرا جسارت ملاحظہ ہو!

نہ کیوں آج جھویں کہ سرکار آئے
خدا کی خدائی کے مختار آئے

(مغیلان مدینہ: ۱۳)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی الوہیت کے اختیارات لے کر الیاس قادری کی مجلس میں آگئے (اللہ کی پناہ ایسے عاشق سے)۔

قارئین کرام! اللہ کی گستاخی یہیں پر بس نہیں بلکہ اللہ کو (نحوذ باللہ) اپنے رسول ﷺ کا اپنی طرح نعت خواں بنا چھوڑا۔ بات ذرا سمجھنے کی ہے یعنی ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر اپنے نبی ﷺ کی شان بیان فرمائی ہے۔ وہ شان اللہ دینے والا ہے اور قرآن میں بیان کر کے ہمیں اس شان سے آگاہ فرمانے والا ہے۔ لیکن یہ بالکل مختلف انداز ہے اور یہ انداز اللہ کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ مگر ایک وہ انداز ہے کہ جسے بریلوی شعراء نے اپنایا ہے۔ مجموعہ نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

دو عالم میں کوئی کیا کر سکے رتبہ بیان ان کا
خدائے دو جہاں خود بن رہا ہے مدح خواں ان کا

(مجموعہ نعت: ۹۶)

اسی طرح نگستان میں محمد علی ظہوری کا شعر ہے:

اللہ وی پڑھے نعت جہدی آپ ظہوری
حق اوہدیاں نعتاں دا ادا کون کرے

(نگستان: ۱۵۰)

قارئین کرام! عیسائیوں نے عیسیٰ ﷺ کو اللہ کا بیٹا کہا تو اللہ نے غصباً ک ہو کر ان کے اس جملے پر یوں عتاب فرمایا:

تَحْكَمُ الْمُسْمَوَاتُ بِنَفْطَنِهِ وَتَنْشَقُ الْأَرْضُ وَتَخْرُجُ الْجَنَّاتُ هَذَا

(سریم: ۹۰)

”قریب ہے کہ اس جملے سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پھاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔“

اللہ کو اپنے رسول ﷺ کا نعت خواں بنانے والو! یہی بات تمہارے لیے ہے کہ قریب ہے کہ تمہارے ان الفاظ سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، زمین پھٹ جائے، پھاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہم نے رب کو رسول ﷺ کا نعت خواں بنادا۔
قارئین کرام یہ لوگ عرش کا تذکرہ کریں تو گستاخیاں اور فرش کا تذکرہ کریں تو گمراہیاں۔ ایک گمراہ کن انداز ملاحظہ ہو۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھے چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

(حدائق بخشش: ۳۶، مجموع نعت: ۱۰۱)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ کا روضہ کعبے کا کعبہ ہے۔ ارے بھئی! یہ گمراہ کن سوچ تو نے کہاں سے لی.....؟ یہ مقابلہ، یہ موازنہ جو اعلیٰ حضرت نے حدائق بخشش میں کیا ہے؟ یہ کس حیثیت سے کیا ہے؟ اللہ کی پناہ ایسی فضول سوچوں سے۔

احمد رضا خاں بریلوی کا ایک پیر و کار اسی انداز کا ہی ایک شعر یوں کہتا ہے۔
سوچتا ہوں مدینے کو جب جاؤں گا، کیسے آداب بجا لاؤں گا
روک لوں گا میں سجدوں سے کیسے جیں، جب وہ کعبے سے بڑھ کر مقام آئے گا
(مجموع نعت: ۱۰۱)

”گُن،“ تے کل دی گل اے:

فضیح الدین سہروردی بریلوی حضرات کا معروف نعت خواں ہے۔ اس کی ایک کیسٹ

بازار میں آئی ہے۔ پہلی نعمت میں وہ کہتا ہے ع

اللہ کا دیدار ہے دیدارِ مصطفیٰ
اور پھر ”گن“ کی نعمت یوں پڑھتا ہے۔ پنجابی بول ملاحظہ ہوں۔

کن دے پسارے ناں ہن
آدم دے گارے ناں ہن
عرشان دے تارے ناں ہن
ندی کنارے ناں ہن
قائدے سپارے ناں ہن
دن دے نظارے ناں ہن
ہر شے خدا بنائی
تیرے پیار دا صلہ

کن تے کل دی گل اے
اک ذات اے خدا دی دو جا نورِ مصطفیٰ

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے بندوں کو بتلایا کہ جب میں کسی کام کے
کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ”کن“ کہتا ہوں، ”فیکون“ وہ ہو جاتا ہے۔

اب یہ شاعر کہتا ہے کہ کن تو کل کی بات ہے، کن سے پہلے ایک اللہ تھا اور دوسرا نورِ مصطفیٰ
تھا اور یہ بھی کہتا ہے کہ دونوں ہی ایک ہیں۔ جس نے مصطفیٰ کا دیدار کر لیا، اس نے اللہ تعالیٰ
دیکھ لیا۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ تو اس کے برعکس فرم رہے ہیں:

مَا كَانَ لِبَنَى مِنْ عَلَيْهِ بِالْمُلْكُ الْأَكْبَرُ، وَلَا يَخْصُمُونَ لَهُ بِمَا

(حس: ٦٩) ””مجھے اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جگڑتے تھے تو کچھ بھی علم نہ تھا۔“

لیعنی جب فرشتے یہ کہہ رہے تھے کہ ”اے اللہ! اس آدم کو بنا کر تو کیا کرے گا؟ یہ تو زمین میں خوزیری کرے گا، تو اس وقت جو گفتگو ہو رہی تھی، مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔“
مگر یہ میلادی مولوی اور شاعر ہیں کہ مبالغہ کیے جا رہے ہیں۔

عیسائیوں کی ”کن“.....

اور جناب! اب آئیے! عیسائیوں نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ”کن“ کے بارے میں جو کہا، وہ بھی دیکھیے اور پھر ان کی نعت بھی ملاحظہ کیجیے!
عیسائی پادری ارنست جان اپنی کتاب ”ابن خدا“ میں لکھتا ہے:
”انجیل مقدس بتاتی ہے کہ ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام (یہاں کلام سے مراد جناب یسوع مسیح لیعنی کلمۃ اللہ) خدا تھا۔“

خور فرمائیے! عیسائی پادری کہتا ہے کہ اللہ کا کلام لیعنی کلمہ ”کن“ آغاز میں تھا اور پھر نہ عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کلمہ تھے، لہذا دونوں ساتھ تھے اور یسوع بھی خدا تھا اور جو مسلمان نعت گو ہے، وہ اس سے بھی اوپر جاتا ہے، وہ کہتا ہے ”کن“ کا کلام تو کل کی بات ہے، اس کلام سے پہلے ہی اللہ اور محمد ﷺ کا نور دونوں موجود تھے !!

قارئین کرام! عیسیٰ علیہ السلام کی نعمتوں کی کیمیں بھی بازار میں آئی ہیں۔ ایک کیسٹ سے نعت کہ جنے، ہم پیش کر رہے ہیں، یہ اے نیرا اور ترنم ناز کی آواز میں ہے، اسے بھی ملاحظہ کیجیے۔

مجسم ہو کے دیکھو پیارا آیا
خدائے پاک کا اوتار آیا
ہر ایک لب پر خوشی کے ہیں ترانے
گناہ سے ہم کو چھڑانے آیا

.....

ہمارا حامی و غم خوار آیا
 میرا شافی میرا دلدار آیا
 بڑی عالم کو جس کی جتو تھی
 تمنا جس کی سب کو کوکو تھی سبھی نبیوں کو

.....
 جس کی آرزو تھی
 وہ جس کا کوئی ہم سر بھی نہیں
 عبادت کا ہے جو حق دار آیا

عبدہ خانم کی نعمت:

مردوں کی مجلسوں میں دھماکیں ڈالنے والی، لوک گلوکارہ عبادہ پروین تو بڑی معروف ہے۔ اسی قبیل سے عارفانہ کلام گانے والی ایک دوسری گلوکارہ عبادہ خانم کی ایک نعمت جو بہت زیادہ مشہور ہوئی ہے، آئیے اور ذرا اس پر بھی ایک نظر ڈالیں۔

.....
 شاہ مدینہ پیرب کے والی
 سارے نبی تیرے در کے سوالی
 جلوے ہیں سارے تیرے ہی دم سے
 آباد ہیں عالم تیرے کرم سے
 باقی ہر اک شے نقلی، خیالی
 سارے نبی تیرے در کے سوالی

.....
 تیرے لیے ہی دنیا بنی ہے
 ننیلے فلک کی چادر تنی ہے

تو گر نہ ہوتا دنیا تھی خالی
سارے نبی تیرے در کے سوائی

مذہب ہے تیرا سب کی بھلائی
مسلک ہے تیرا مشکل کشائی
دیکھ اپنی امت کی خستہ حالی
سارے نبی تیرے در کے سوائی

غور فرمائیے! اس عورت نے تمام نبیوں کو اللہ کے آخری رسول ﷺ کے در کا سوالی بنا دیا
حالاً نکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ جب بھی کسی نبی کوئی تکلیف پہنچی تو اس نے صرف اپنے اللہ سے
فریاد کی اور وہ پیغمبر اسی کے در کا سوالی بنا۔

آدم اور حوا ﷺ سے غلطی ہو گئی تو انہوں نے اللہ سے رحم کی درخواست کی اور معافی مانگتے
ہوئے فرمایا:

رَبَّنَا أَطْلَّتْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَعْفُرْ لَكَ وَتَرْحَمْنَا اللَّهُمَّ إِنَّمَا تَحْبِبُّنَّ
(الإِنْجَافُ: ۲۳)

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کر لیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا تو ہم
خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“
آدم ثانی روح ﷺ نے یوں فریاد کی:

شَدَّعَارِيهِ أَبِي مَعْلُومٍ بِشَانَقَبَهُ لَهُ

”پھر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو (ان مشرکوں کے ہاتھوں) مغلوب ہو گیا
ہوں لہذا میری مدد کر۔“

حضرت ابراہیم ﷺ یوں کہتے ہیں:

(السُّعْدَى: ٨٠)

وَيَدَأَمْرِضُتْ فَهُرْبَشَفِيفَتْ (۷۷)

”جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفادیتا ہے۔“
ایوب علیہ السلام سے عاجز آئے تو یوں کہنے لگے:

وَأَيُّوبَ بَلْ إِذْ نَادَ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الْأَسْعَرُ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

(الْأَنْبِيَا: ٨٣)

”جب ایوب (علیہ السلام) نے اپنے رب سے فریاد کی کہ مجھے سخت بیماری لگ گئی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔“

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں بیٹا مانگا تو یہ کہہ کر اپنے رب سے مانگا:

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذِرْيَةً طَيِّبَةً (۳۸) (آل عمران: ۳۸)

”پروردگار! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرم۔“

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے بدکاروں کے مقابلے میں عاجز آ کر اپنے اللہ ہی سے مدد کی فریاد کی:

فَالَّرَبِّ أَنْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْدِرِينَ (الْعَنكِبُوت: ٣٠)

”میرے رب! فسادی لوگوں کے مقابلے میں میری مدد کو پہنچ۔“

یونس علیہ السلام کے پیٹ میں چلے گئے تو یوں فریاد کی:

فَكَذَّبَهُ الظَّلَمُكَيْتَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي سَمِعْتُ

وَنَّ الظَّلَمُكَيْتَ (الْأَنْبِيَا: ٨٢)

”اس نے اندر ہیروں میں فریاد کی، تیرے سوا کوئی مشکل کشانہیں، آپ بڑے پاکباز ہیں، قصور واروں میں سے تو میں ہی تھا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یونس (علیہ السلام) میری پاکیزگی بیان نہ کرتا یعنی مجھ سے فریاد نہ کرتا تو:

لَيْسَ فِي بَطْلِيهِ إِلَّا مُؤْمِنُوْنَ (الْأَصْفَاف: ٦٤)

”قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا۔“

قارئین کرام! اللہ کے نبیوں کا تو یہ طریقہ قرآن میں بیان ہوا، جبکہ عابدہ خانم اپنی نعمت کا آغاز ہی اس سے کرے کہ سارے نبی محدثین کے در کے سوالی ہیں، کس قدر بڑا جھوٹ، نبیوں پر الزام اور ان کی توہین ہے اور ظلم تو یہ ہے کہ یہ نعمت اس قدر معروف ہے کہ ہر شرکیہ گھر میں فخر کا آغاز اس سے کیا جاتا ہے۔ بسوں اور ویگوں میں پہلے پھرے میں پہلی نعمت یہی لگائی جاتی ہے، جس میں نبیوں پر بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے کا بہتان ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا پر بھی بہتان ہے کہ ان کا نہ ہب اور مسلک مشکل کشائی ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک وہ نہیں جو عابدہ خانم جیسی گوئیں (مغنية) اللہ کے رسول ﷺ سے منسوب کرے، اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک تو وہ ہے جو آپ ﷺ نے خود بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فُلْ لَا أَمْلِكُ يَنْفِسَيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًا لِمَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ سُكِنَتْ أَعْنَمْ

الْغَيْبَ لَا سَتْحَنَتْ مُرُّتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَنَّيْ أَسْوَمْ

(الادخار: ۱۸۸)

”میرے رسول! انھیں کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نفع اور نہ نقصان ہی کا اختیار رکھتا ہوں اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سارے فوائد حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔“

تو جناب! یہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا مسلک جس کا وہ خود اعلان کر رہے ہیں اور اللہ ان سے کرا رہا ہے۔ مگر ہم ان بے سمجھ گویوں کی کیا بات کریں اور انھیں اس جہالت پر ہم کیا کہیں۔ یہاں تو بہت بڑا عالم احمد رضا خاں بریلوی اپنی یہ رٹ لگائے چلا جا رہا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے یہ نعمت کہے جا رہا ہے۔

منجد حار پے آکر ناؤ ڈوبی

دے ہاتھ کہ ہوں میں پار آقا

.....

گردا ب میں پڑ گئی کشتی
ڈوبا ڈوبا آتا ر آقا
(حدائق بخشش: ۱۰)

قارئین کرام! عیسائی اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اپنی نعمت پڑھتے ہوئے بھی ایسے ہی کہے جا رہے ہیں۔ ان کے اشعار بھی دوبارہ ملاحظہ ہوں۔

نیا میری منجدھار میں ڈوبی
کون لگئے گا پار؟
کھیون یسوع ہو سکتا ہے
تیری نیا کی پتوار

قارئین کرام! ہم لاکھ کہیں کہ دیکھو! یہ انداز عیسائیوں کا ہے، یہ مشاہدہ صلیب کے پیچاریوں کی ہے اور پھر قرآن کے دلائل دیں، اللہ کے نبی ﷺ کے فرمودات سامنے رکھیں مگر احمد رضا خاں ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ اپنے پیروکاروں کو بھی یہی کہے جا رہے ہیں۔

سنیو ان سے مدد مانگے جاؤ
پڑے بکتے رہیں بکنے والے

(حدائق بخشش: ۵۸)

اور پھر احمد رضا خاں مدد کی بھیک یوں مانگتے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہوں

یا الہی! رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ! کرم سبھی خدا کے واسطے

(حدائق بخشش: ۵۳)

قارئین کرام! اندازہ سبھی، احمد رضا خاں صاحب کے ہاں اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان فرق ہی کوئی نہیں۔ اللہ سے رحم کی درخواست کی تو مصطفیٰ کا واسطہ دے دیا اور مصطفیٰ سے کرم کی درخواست کی تو اللہ کا واسطہ دے دیا۔

اور جب اہل توحید نے اس انداز سے ڈرایا، خوف دلایا تو احمد رضا نے کہہ دیا۔

خوف نہ رکھ رضا، تو تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی صحابی، تابعی یا تابع تابعی کا نام عبد مصطفیٰ تھا، عبد رسول تھا، عبد محمد تھا؟ اللہ کے بندے تو نے یہ کام کیوں کیا؟ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کے والد کا نام بھی عبد اللہ تھا۔ اللہ کے بندے تو اس انتہا کو جا پہنچا اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ میرے لیے امان ہے۔ امان کیا بلکہ جنت کی ٹھیکداری بھی ہے، ملاحظہ کریں۔

تجھ سے جنت اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

(حدائقِ بخشش بحوالہ مجموعہ نعمت: ۳۲)

عیسائی میلادیوں کا پختہ اعتقاد، مسلم میلادیوں کا شکلی خیال:

عیسیٰ ﷺ کا میلاد منانے والے عیسائی میلادیوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ﷺ کے بیٹے ہیں، وہ بشر کے روپ میں اس زمین پر آئے، ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر کے چھانسی پا گئے، اب ہمیں کھلی چھٹی ہے جو چاہیں کریں اور یہ کہ عیسیٰ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا میلاد منانے والے بعض مسلمان میلادیوں کی نعمتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمد ﷺ بن کر زمین پر آگئے، وہ اللہ کے نور میں سے نور ہیں، بشر نہیں تھے بلکہ بشر کے لبادہ میں تھے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور یہ کہ ان کی نعمتیں پڑھنے کی وجہ سے وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گے۔ عقیدہ بھی ہے، مگر بعض جگہ شکوک کا بھی اظہار ہے۔ ملاحظہ ہو، خالد محمود کہتا ہے۔

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا، نہ بندگی میری بندگی ہے

یہ سب تیرا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

(نخستان: ۲۷)

صائم چشتی یوں کہتا ہے

کملی والے میں قربان تیری شان پر
سب کی بگڑی بنا تیرا کام ہے

(نخلستان: ۹۲)

قارئین کرام! اب اللہ کے رسول ﷺ کہاں ہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو آواز دے کر
اپنی بگڑی بنا لیں، بات بنوالیں اور بندگی کر لیں۔ ملاحظہ ہو! میلاد کی رات کے متعلق صائم
چشتی کہتا ہے:-

خود محمد ﷺ ہیں تشریف لائے ہوئے
کس قدر جانپرا آج کی رات ہے

(نخلستان: ۳۷)

اور عبدالستار نیازی یوں شک کا اظہار کرتے ہیں۔

یاد نبی کا گلشن مہکا مہکا لگتا ہے
محفل میں موجود ہیں آقا، ایسا لگتا ہے

(نخلستان: ۹۶)

اور تیسرا اپنے شک کا اظہار یوں کرتا ہے۔

لب پھیلی علی کے ترانے، اشک آنکھوں میں آئے ہوئے ہیں
یہ ہوا، یہ فضا کہہ رہی ہے، آقا تشریف لائے ہوئے ہوئے ہیں

(نخلستان: ۳۷)

اصغر علی کہتا ہے

کدی آؤیں تے دکھڑے سناوں عرشاں تے جان والیا
تیری راہ وچ اکھیاں وچھاوں عرشاں تے جان والیا

(نخلستان: ۱۲۷)

قارئین کرام! آمد رسول ﷺ کا پیغام کسی کو ہوادے رہی ہے، کسی کو فضادے رہی ہے، کسی کو ویسے ہی ایسا لگ رہا ہے کہ آپ ﷺ آئے ہوئے ہیں، کوئی اس انتظار میں ہے کہ آپ ﷺ آئیں اور وہ آپ کو اپنا دکھڑا سنائے۔ اب آپ ﷺ کو لانے کے لیے محفل میلاد ضروری ہے، نعت خواں ضروری ہے، حلے مانڈے کا ختم ضروری ہے۔ یہ سب ایسے بے شک تیر چلا رہے ہیں اور ادھر اللہ کے رسول ﷺ فرمार ہے ہیں، صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

”(ایک صحیح اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ ﷺ کو خواب سنایا اور اس خواب کے مشاہدات ملاحظہ کرنے کے بعد آخر میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کی)

«أَنَا جِبْرِيلُ وَ هَذَا مِيْكَائِيلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعَتُ رَأْسِيْ فِإِذَا فَوْقِيْ
مِثْلُ السَّسَّاحَابِ قَالَا ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِيْ أَدْخُلْ مَنْزِلِيْ قَالَا إِنَّهُ
بَقِيَ لَكَ عُمَرٌ لَمْ تَسْتَكِمِلْهُ فَلَوْ اسْتَكِمَلْتَ أَتَيْتَ مَنْزِلَكَ»

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب: ۱۳۸۶)

”میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں اور آپ اپنا سر اٹھائیں۔ (آپ ﷺ فرماتے ہیں) جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو میرے اوپر سفید بادل کی مشل کچھ تھا۔ انھوں نے کہا: ”یہ آپ ﷺ کا محل ہے۔“ میں نے کہا: ”مجھے چھوڑو تاکہ میں اپنے محل میں داخل ہو جاؤ۔“ تو انھوں نے کہا ابھی آپ ﷺ کی عمر باتی ہے جسے آپ ﷺ نے پورا نہیں کیا۔ جب آپ ﷺ اسے پورا کر لیں گے تو آپ ﷺ اپنے محل میں تشریف لائیں گے۔“

قارئین کرام! یہ بے چارے بیہاں رو رو کر اپنا ایمان اور عقیدہ خراب کر رہے ہیں، عیسائیوں سے مشابہت کر رہے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے فوت ہونے کے بعد اپنے سفید محل میں آرام فرمائے ہیں۔ (ان شاء اللہ الْجَنَّ

میلادیوں کے عقائد سے مشابہ عیسائیوں کے چند نمائندہ اشعار:

پیارے قارئین کرام! اب عیسائیوں کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ میلادیوں کا عقیدہ ان سے کس قدر تک ملتا جلتا ہے۔

فلک پر روشن ہوا ستارہ، فضا میں گونجا نیا ترانہ
جہاں میں آئے ہیں ابن مریم، لیے مسرت کا خزانہ
وہ جس نے چھوڑی فلک کی عظمت زمین پر بن کے غریب آیا
جہاں کو درس حیات دینے وہ بن کے سب کا حبیب آیا
وہ شاہ ارض و سماء کہ جس کی ہے دسترس میں ہر اک زمانہ

ایک دوسری نعت ملاحظہ ہو۔

عرش بریں سے یسوع انسان بن کے آیا
دنیا میں رحمتوں کا سامان بن کے آیا
ظاہر میں تھا وہ مغلس اس میں نہیں مضائقہ
باطن میں انبیاء کا سلطان بن کے آیا
ایک تیسرا بند بھی ملاحظہ ہو۔

زمانوں سے یہ نبیوں کی آرزو تھی
زمین پر خدا خود کرے بادشاہی
چلو آستانہ پر اس کے جھکیں ہم
دل و جان سے اس کے سجدہ کریں ہم

”کتا“ بننے میں تقدم و ترقی:

قارئین کرام! نعتیں بھی بہت ہیں، کتاب و سنت کی روشنی میں تبصرے بھی بہت ہیں، مگر میں اپنی بات سمجھتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ میں نے بڑی کوشش کی کہ عیسائیوں کی نعمتوں میں مجھے کوئی ایسی نعت نظر آئے کہ عیسائی نعت خواں نے گلگل کی گلگلیوں، ناصرت کے

بازاروں اور یو شلم کی گلیوں کا ”کتا“ بننے کی کوشش کی ہو۔ مگر یہ تقدم، یہ ترقی اور یہ انداز مجھے صرف بریلوی میلادیوں کی نعمتوں میں نظر آیا کہ وہ ”کتا“ بننے کی کوشش کر رہے ہیں، عیسائی نعمت خوانوں کی نعمتوں میں نظر نہیں آیا۔ ملاحظہ ہو دعوتِ اسلامی کے سربراہ محمد الیاس قادری کا نقیبیہ شعر۔

میں مدینے کی گلی کا کوئی کتا
کاش ہوتا نہ میں انسان مدینے والے

(مغیلان مدینہ: ۲۳)

قارئین کرام! قادری صاحب پاکستان میں پیدا ہوئے، انھیں اس بات پر افسوس ہے کہ وہ کیوں انسان پیدا ہوئے، کاش! وہ مدینے کی گلی کا ”کتا“ ہوتے۔ حالانکہ مدینے میں جو قرآن نازل ہوا وہ قرآن ”سورہ اعراف“ میں ایک ایسے عالم کا تذکرہ کرتا ہے جو شریعت کا علم رکھتا تھا مگر وہ اس علم سے نکل کر شیطان کے پیچھے چل کلا تو دنیا کا بندہ بن گیا۔ اللہ کا قرآن کہتا ہے:

فَمَثَلُهُ كَمَثْلِ الْحَكَلِ (۱۹۶) (الاعراف: ۱۹۶)

”اس شخص کی مثال کتے کی سی ہے۔“

اسی طرح کوئی شخص کسی بھائی کو کوئی شے ہبہ کر کے واپس لیتا ہے تو صحیح بخاری کے مطابق اس کی مثال بھی اللہ کے رسول ﷺ نے کتے سے دی ہے، جو قے کر کے کھا لیتا ہے۔ اسی طرح اگر کتا برتن میں منہڈاں دے تو صحیح بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اس برتن کو سات بار دھویا جائے۔ صحیح بخاری و مسلم میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس کا لے کتے کی آنکھوں پر دو کا لے نقطہ ہوں، وہ شیطان ہے، اسے قتل کر دو۔ ابو داؤد میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب رات کو کتے کی آواز سنو تو ”اعوذ باللہ“ پڑھو یعنی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔

قارئین کرام! قادری صاحب مدینے کا بچھو، مدینے کا نیوالا، مدینے کا مینڈک، مدینے کا کچھوا، مدینے کا کوا، مدینے کی گدھ، مدینے کا گلھا.....غرض جو چاہتے بن جاتے مگر ”کتا“ نہ بنتے، اس لیے کہ کتے کی جس قدر نہ مرت رسول گرامی ﷺ کے میٹھے فرائیں سے ہوتی ہے، مندرجہ بالا جانوروں میں سے کسی کی بھی اتنی نہ مرت نہیں ہوئی۔

کتے کے بارے میں یوں گفتگو کرنا ماؤرن انگریز عیسائیوں کی مشاہہت بھی ہے، کیونکہ انگریز گوریاں کتوں کو اپنے ساتھ سلاٹی ہیں، انھیں لباس پہناتی ہیں حتیٰ کہ ان کے نام جانمداد وقف کر دیتی ہیں۔ کتوں کی یہی آویہ بھگت دیکھ کر کسی دیسی آدمی نے آہ بھر کر کہا:

”کاش! میں کتا ہوتا۔“

مگر ہمارے ہاں تو کتابخس ہے، اسلام میں کتاب پلید ہے، ہمارے پیارے نبی ﷺ کے میٹھے فرائیں کے مطابق یہ ناپاک ہے، مگر ہمیں افسوس یہ ہے کہ احمد رضا خاں بریلوی کہ جنھیں بہت بڑا عالم دین سمجھا جاتا ہے، وہ بھی سگ مدینہ کی بات کرتے ہیں اور ”مجموعہ نعمت“ میں جمیل قادری صاحب بھی یہی کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

یا رسول اللہ! آکر دیکھ لو
یا مدینے میں بلا کر دیکھ لو
اس جمیل قادری کو بھی حضور
اپنے در کا سگ بنا کر دیکھ لو

(مجموعہ نعمت: ۸۲)

جناب جمیل قادری! اللہ کے رسول ﷺ تمھیں کتا کیوں بنائیں گے اور تمھیں کتابنا کر آپ ﷺ کیا دیکھیں گے۔ آپ ﷺ اپنی زندگی میں ایسا منظر دیکھ چکے ہیں کہ کتے کی وجہ سے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئے۔

کاش! مجھے کتے کھا جاتے:

اسی طرح الیاس قادری صاحب ایک اور جگہ اپنی ابھی تک پوری نہ ہونے والی خواہش کا روناروتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش! میں مدینہ میں جا کر گم ہو جاتا اور مر جاتا تو مدینے کے کتے میرے جسم کو چیرتے پھاڑ دیتے اور مزے سے کھاتے۔ ان کی زبان سے سینیں۔

کاش! دشت طیبہ میں، میں بھٹک کے مر جاتا
پھر سگان طیبہ کا بن نوالہ تر ہو جاتا

(مغیلان مدینہ: ۱۳۹)

قادری صاحب اپنی اس غلیظ خواہش کا اظہار حضرت سے تو کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ پھر اس سے انھیں کون سی ولایت مل جانی تھی بلکہ پھر کتوں کے کھانے کے بعد انھوں نے فضلہ بن کے ہی نکلنا تھا جو کہ کسی طرح بھی ان کی فضیلت اور شان نہ ہوتی۔
 صحیح مسلم، ترمذی اور ابو داؤد کی حدیث ہے کہ موننوں کی ماں حضرت عائشہ رض بیان فرماتی ہیں:

ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا لیکن وہ نہ آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس کے پیغام رسالہ ہی وعدہ خلافی کرتے ہیں۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر دیکھا تو کتے کا ایک بچہ (پلا) چار پائی کے نیچے پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے عائشہ! یہ بچہ اس جگہ کب آیا؟ انھوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! مجھے کچھ علم نہیں۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ باہر نکال دیا گیا تو اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”تم نے مجھ سے (آنے کا) وعدہ کیا تھا اور میں تمہارے انتظار میں بیٹھا تھا۔“ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ”یہ کتنا

جو آپ کے گھر میں تھا، اس نے مجھے روک رکھا تھا۔ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو، تم
اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔“

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورہ الحیوانالخ: ۲۱۰۴)

تو جناب قادری صاحب! مدینے میں پیدا ہونے والا، مدینے کی شہریت رکھنے والا کتا
بھی جو ویسے ہی آگیا، وہ اس قدر منہوس تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد رک گئی۔ چنانچہ دربار
رسول سے کتا بھگا دیا گیا۔ ذرا غور کیجیے! اس اصلی کتے سے یہ سلوک تھا تو نقیٰ سے کیا سلوک
ہو گا.....؟

روٹیوں، بوٹیوں، تھالیوں، کتوں اور گدھوں کو سلام:

اللہ کے رسول ﷺ پر سلام صحیح کا حکم اللہ نے دیا ہے اور وہ سلام وہی ہے کہ جسے تشهد
میں بھی نبی ﷺ پر صحیح کا حکم ہے۔ یہ الفاظ نبی ﷺ نے خود سکھا دیے۔ اسی طرح درود
ابراہیم بھی سکھا دیا گیا۔ یہ سب مسنون صلوٰۃ وسلام قرآن و حدیث میں بتا دیے گئے۔ یہ بھی
 بتا دیا گیا کہ جب آپ ﷺ کا نام آئے تو ”صلی اللہ علیہ وسلم“، کہنا چاہیے، مگر یا رلوگوں نے
 مسنون صلوٰۃ وسلام چھوڑ کر کتنے ہی من گھڑت اور جعلی درود وسلام ایجاد کر لیے۔ احمد
 رضا خال بریلوی نے اپنا سلام ایجاد کیا اور اب الیاس قادری صاحب جو کہ بریلوی حضرات کی
 ایک نئی جماعت ”دعوت اسلامی“ کے سرپرست ہیں، انہوں نے ایک تازہ سلام ایجاد کیا ہے،
 جو حد درجہ مصکحہ خیز ہے۔ نبی ﷺ پر سلام کی آڑ میں آپ ﷺ کے ادب کو بڑے مزاجیہ انداز
 میں بیان کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ لیکن افسوس! یہ خود جو کچھ مرضی کرتے جائیں، پھر بھی
 عاشق کے عاشق ہی رہتے ہیں اور دوسرے گستاخ۔ بیجے اب یہ نام نہاد سلام پڑھتے جائیے،
 تجب کرتے چلے جائیے، مسکراتے چلے جائیے اور ساتھ ساتھ ایسی عقل پر روتے اور افسوس
 کرتے جائیے کہ جس کی وجہ سے اسلام کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے۔

مغیلان مدینہ نامی کتاب کی آخری نعمت ”سلام“ پر مبنی ہے۔ اس کے بعض بند ملاحظہ

ہوں ۔

سلام

زار طبیبہ، روٹھے پر جا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
کوئے محبوب کی مکریوں، لکڑیوں، مکڑیوں کو
بلکہ تنکے وہاں کے اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
تو درختوں کو اور جھاڑیوں کو، ان کی گلیوں کی سب گاڑیوں کو
ہاتھ اپنا ادب سے لگا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....

بوقلوں بلکہ ڈھکنوں کو بھی تو، دال گندم کے دانوں کو بھی تو
چوم آنکھوں سے اپنی لگا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
بھنڈیوں، توریوں کو، گوبھیوں، گاجروں، مولیوں کو
کہنا سیبیوں کو اور آڑوؤں کو اور کیلوں کو، زرد آلوؤں کو
اور تربوز سر پر اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....

تو قادیل کو، ققموں کو، تار سوچ اور تو کولوں کو
ٹھنڈا پانی کسی کو پلا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
چیونیوں، کھونیوں، ٹونیوں کو، ہر طرح کی جڑی بوٹیوں کو
بار بار ان پر نظر جما کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....

چاولوں، روٹیوں، بوٹیوں کو، مرغ انڈوں کو، مچھلیوں کو

سبزیوں کو وہاں کی پکا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
تھالیوں کو پیالوں کو کہنا، تو مرچ مسالوں کو کہنا
چائے کی کیتیلی کو اٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....
ٹھنڈے پنکھوں اور ہیٹروں کو بلکہ تاروں کو اور میٹروں کو
بیٹیوں کو وہاں کی جلا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
جس قدر بھی ہیں پانی کے نلکے، پھل تو پھل بلکہ بیج اور چھلکے
ہاتھ ان کی طرف بڑھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....
تو مکانوں کو بھی، کھڑکیوں کو اور دیوار و در اور سیڑھیوں کو
تو عقیدت سے دل میں بٹھا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
رسیوں، قیچیوں، چھریوں، چادروں، سوئی دھاگوں دریوں سے
سینے سے اپنے لگا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

.....
سگریزوں اور پتھروں کو، اونٹ گھوڑوں، خروں چخروں کو
پرندوں پر نظریں جما کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
بلیاں جب مدینے کی دیکھے، خوب ادب سے انھیں پیار کر کے
ہاتھ نرمی سے ان پر پھیر کر، تو سلام میرا رو رو کر کہنا

.....
جب سگان مدینہ کو دیکھے جوڑ کر ہاتھ تو ان کے آگے

ائشک بار آنکھ ان پر جما کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا
کاش! ہوتا میں سگ (کتا) سیدوں کا، بن کے دربان پھرا بھی دیتا
رب نے بھیجا ہے انسان بنا کر، تو سلام میرا رو رو کے کہنا

(مغلیان مدینہ: ۱۹۸۳ تا ۱۹۸۴)

آئینہ حقیقت میں ایک نظر:

قارئین کرام! اس سلامیہ نعت کی روشنی میں ذرا تصور کیجیے! الیاس قادری کی ”دعوت اسلامی“ کا میلادی کارکن، سر پر سبز پٹری باندھے طیبہ جا پہنچتا ہے۔ ویسے ایسا بھی ایک واقعہ ہو سکتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے اور روشنے کے گنبد کا رنگ سبز کی بجائے سرخ ہو جائے یا سفید ہو جائے تو پھر یہ پوری جماعت کہ جس کے لاکھوں کارکنوں کے سروں پر گنبد کے سبز رنگ کی وجہ سے سبز پٹریاں ہیں، ان کا رنگ بدنا پڑ جائے گا اور اگر کہیں ہر چھ ماہ بعد وہاں کا رنگ بدلتا رہے تو جناب اس جماعت کا مونو گرام بھی بدلتا رہے گا۔ بہر حال سبز بگڑی باندھے دعوت اسلامی کا کارکن وہاں پہنچتا ہے۔ اب وہ ایک ایک درخت کے پاس جاتا ہے، جھاڑی کے پاس جاتا ہے، سلام کہنا شروع کر دیتا ہے۔

طیبہ کی سڑکوں پر یہ امریکہ کی بنی ہوئی گاڑی فورڑ جا رہی ہے، یہ ادب سے اس پر ہاتھ پھیر رہا ہے اور سلام کہہ رہا ہے۔ یہ جاپان کی ٹویوتا کار نظر آگئی، جو بھوں نے بنائی اور یہاں طیبہ میں آگئی۔ اب یہ اس پر بھی ادب سے ہاتھ پھیر کر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ طیبہ میں تو لاکھوں کاریں ہیں، لب سے یہ بے چارہ جاپان کے بھوں، امریکہ کے عیسائیوں کی بنی کاروں پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔

کوکا کولا، پیپسی کولا یہودیوں کی کمپنیاں ہیں اور ساری دنیا میں ان کا پانی فروخت ہوتا ہے، طیبہ میں بھی پیپسی خوب چلتی ہے، اب یہ سبز پٹری والا پیپسی کی بوتل کو چوم رہا ہے۔ طیبہ کے بازاروں میں مشروب کی جس دکان سے گزرتا ہے، یہ وہاں پڑی بوتلوں کو چومنا

شروع کر دیتا ہے۔ لوگ بولیں پی کر ڈھکنے پھینک رہے ہیں بلکہ بولیں پھینک رہے ہیں اور یہ انھیں اٹھاتا ہے، چوتا ہے اور ان پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ سبزیوں کی دکانوں کے سامنے سے گزرتا ہے تو گوہی، گاجر اور مولی کو آنکھوں سے لگا کر سلام پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ سیب کیلیا اور آڑو تو طبیبہ میں بیدا ہوتا ہی نہیں۔ سیب اور کیلیا لبنان سے آ رہا ہے، آڑو شام سے آ رہا ہے، مسمی پاکستان سے جا رہی ہے، اب یہ تر بوز سر پاٹھا لیتا ہے اور ان چکلوں پر سلام پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ غرض اسے تبازار سے، سڑک سے ہی فرصت نہ ملے گی اور اگر کہیں تھک ہار کر کسی کے گھر چلا جائے گا یا اگر ہوٹل میں قیام ہے تو وہاں چلا جائے گا، تو اب یہ جناب سونچ، بھلی کی تار اور ٹیبووں کو چومنا اور سلام کرنا شروع کر دے گا۔ لوگ پریشان ہو جائیں گے کہ یہ کہیں کرنٹ لگنے سے مرنا جائے۔ وہ اس کو وہاں سے ہٹائیں گے، تو یہ دیواروں، کھڑکیوں اور سیڑھیوں پر سلام پڑھنا شروع کر دے گا۔ وہ وہاں سے ہٹائیں گے تو یہ کمرے میں پڑے قالیں کو سینے سے لگانا شروع کر دے گا۔ لوگ اسے سلانے کی کوشش کریں گے تو یہ جناب بستر کی دری اور چادروں کو سینے سے لگا کر سلام شروع کر دے گا۔ لوگ کہیں گے ”بھوکا ہے شاید بھوک سے یہ حال ہو گیا ہے“، وہ اس کے سامنے طرح طرح کے کھانے سجائیں گے، مگر یہ کھانے کی بجائے چاولوں، روٹیوں بوٹیوں پر سلام پڑھنا شروع کر دے گا۔ ہوٹل والے کہیں گے ”یہ پاگل کہاں سے آ گیا۔“ وہ ہوٹل سے باہر نکال دیں گے۔ باہر اسے گھوڑا نظر آ جائے، گدھا نظر آ جائے، چھر نظر آ جائے تو اس پر سلام پڑھے جا رہا ہے۔ گدھے نے دولتی ماری یعنی ناگ دے ماری، رُخی ہو کر گر پڑا۔ اب یہ ہسپتال جا پہنچا، ہوش آیا تو ہسپتال میں تھا۔ وہاں جناب ہسپتال کے بیڈ سے چھلاگ لگا کر نیچے کو دیکھا اور بیڈ پر سلام پڑھنے لگ گیا۔ ڈاکٹر حیران، نریں پریشان ہیں مگر یہ ان پر بھی سلام پڑھنے لگ گیا، یوں یہ ہسپتال سے باہر آ گیا۔

اب یہ پوچھتا پھر رہا ہے کہ ”سید کا گھر بتلا و؟“ ایک پاکستانی نے بتلا دیا۔ بس پھر کیا تھا، یہ وہاں گیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ گھر کا مالک باہر نکلا اور اس کو دیکھ کر حیران ہوا، وہ بھا

شاید مانگنے والا ہے۔ اس نے ایک ریال دیا اس نے نہ لیا۔ اب عربی زبان اس میلادی کی سمجھ میں نہ آئے، اردو اس عربی سید کی سمجھ میں نہ آئے۔ گھر کا مالک پریشان ہو گیا تو اس میلادی نے اسے سمجھانے کے لیے بھوکنا شروع کر دیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ تو سید ہے اور میں تیرا دربان ہوں۔ رب نے مجھ پر ظلم کیا ہے جو مجھے انسان بنا دیا ہے، میں تو مدینے کے سید کا کتنا بنتا چاہتا ہوں۔ گھر والا اتنا پریشان ہوا کہ اس نے شرط یعنی پولیس والوں کو بلالیا۔ پولیس والوں نے آ کر اس کو قابو کر لیا۔ اب وہ تھانے لے جا رہے تھے کہ راستے میں گندگی کے ایک ڈھیر پر کچلوں کے متعفن چپکلے پڑے تھے۔ یہ دوڑا اور ان پر سلام پڑھنے لگا۔۔۔۔۔ پولیس والوں نے بیہاں سے ہٹایا اور تھانے کی طرف چل دیے۔ جب تھانے کے قریب پہنچ تو وہاں ایک جگہ چند کے کھڑے تھے، سگ مدینہ پھر دوڑا اور اپنے ہم جنوں کے پاس جا کھڑا ہوا اور ”مغیلان مدینہ“ میں الیاس قادری صاحب کی ہدایت کے مطابق سگان مدینہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ اور اشک بار آنکھوں سے سلام کہنے لگ گیا! یہ منظر دیکھ کر ایک سپاہی کہنے لگا: ”کیا یہ ہندو ہے؟ جو کتوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر“ پر نام ”کر رہا ہے، کیونکہ یہ عادت تو ہندوؤں ہی کی ہے۔“ بہر حال پولیس والے حیران ہو رہے تھے، آخر کار انھوں نے اس عجوبے کا سراغ لگایا تو پتا چلا کہ یہ سبز گیڑی والا قادری صاحب کی کتاب ”مغیلان مدینہ“ میں لکھا ہوا الیاس قادری صاحب کا سلام پڑھ رہا ہے۔ انھوں نے اسے پکڑا، جہاز پر بٹھایا اور گورنمنٹ آف پاکستان سے کہا: ”براہ کرم ایسے ”سگوں“ کو ہمارے ہاں نہ بھیجو، پاکستان میں ہی رکھو۔“

کیا ہم نعت کے خلاف ہیں؟:

ہمیں معلوم ہے کہ ہماری اس تفصیلی گفتگو کو پڑھ کر یار لوگ کہیں گے کہ ”ان کی کیا بات ہے، یہ تو نعت شریف کے منکر ہیں“، حالانکہ ہم اسے نعت ہی نہیں سمجھتے جس میں حضرت محمد ﷺ کو (بزعم خود) ”رب“ بنا دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اختیارات سونپ دیے گئے

ہوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیا جائے تو یہ اللہ کے رسول ﷺ کی نعمت ہے یا اللہ کے رسول ﷺ پر بہتان ہے؟ نعمت تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اوصاف بیان کیے جائیں۔ کس طرح آپ ﷺ نے نکالیف اٹھا کر اللہ کا دین لوگوں تک پہنچایا۔ کس قدر اعلیٰ اخلاق پیش کیا۔ قتل و غارت گری میں کفر و شرک کے تعفن میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو کس طرح تو حید و سنت کی پر بہار فضای میں لا کر کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ نے کس طرح دلیری سے معرکے لڑے، جہاد کیا، قتال کیا۔ یہ جو آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمانہ ہیں ان کا کوئی نام نہیں لیتا اور اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ الیاس قادری صاحب کو طیبہ میں مقام خندق پر سلام پڑھنا یاد آتا ہے نہ احمد پہاڑ پر کہ جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے پیٹ پر پتھر باندھے اور آپ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا۔ یاد آتا ہے تو بس پیالہ، پلیٹ اور تھالی پر سلام پڑھنا یاد آتا ہے۔ غرض پیٹ کے بارے سوچنے والوں کو اپنی سوچ کیسے آسکتی ہے۔ جہاد اسلام کی چوٹی ہے، اس بلندی کے بارے میں وہی سوچ سکتا ہے جسے اپنے پیٹ سے زیادہ دین اسلام کی فکر ہو۔

اللہ کے بندو! نعمتوں کا منکر کون ہے؟ جب کفار نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے نعمت پڑھی۔ آج جو شیطان رشدی اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف بکواس کر رہا ہے، مزہ تو تب ہے کہ اس کا مدل جواب انگریزی نعمتوں میں دو۔ اللہ کے رسول ﷺ پر اور ہماری روحانی ماوں پر اس نے جو چھینٹے اڑائے ہیں ان چھینٹوں کو مدل نعمتوں کہہ کر کافور کر دو۔ مگر تمھیں آج ایک ہی نعمت آتی ہے کہ عیسائیوں کی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے شروع کر دو، شرک کی نجاست میں غوطے لگانا شروع کر دو۔ حالانکہ یہی وہ انداز ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

”لوگو! میری شان کو اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو بڑھا دیا۔ میں تو ایک بندہ ہوں، لہذا مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالیٰ ”واذکر فی الكتاب مريم اذا نبضت من اهلها“: ٣٤٥)

کیا اس طرح کی نعمتوں سے سلمان رشدی اور دوسرے غیر مسلم فرقوں کے افکار کا توڑ ہو سکتا ہے؟..... انہی کی حرکتیں اور نقلی کر کے آپ کس طرح انھیں اسلام کے بارے میں قائل کر سکتے ہیں۔ اپنے اپنے نبی کے بارے میں یہ طرز، یہ طریقہ اور یہ غولاللہ تعالیٰ اس سے بچائے کہ جو صریحًا شرک ہے۔

میرے بھائیو! جب آپ غیر مسلموں کو اس طریقہ پر اسلام کی دعوت دیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو پہلے ہی یہ چیز موجود ہے بلکہ تم سے بڑھ کر ہے۔

نعت، جس سے رسول ﷺ نے منع کر دیا:

اب آپ ایک واقعہ سنیں، اس میں انصار کی چند بچیاں بڑے خلوص سے نعت پڑھتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔

معوذ بن عفرا کی یعنی ریچ بیٹی کہتی ہیں:

”نبی ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب میں نکاح کے بعد اپنے شوہر کے ہاں آئی تھی، تو آپ ﷺ میرے بچھونے پر بیٹھے، جیسا کہ تم بیٹھے ہو۔ چنانچہ ہماری لڑکیاں دف بجانے لگیں اور میرے باپ دادا (النصاری مجاہدین) کی خوبیاں بیان کرنے لگیں، جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس دوران اچانک ان میں سے ایک لڑکی نے کہا:

«وَفِينَا نِيَّ يَعْلَمُ مَا فِي عَدٍ»

”ہم میں ایسا نبی موجود ہے جو کل کی باتوں کو جانتا ہے۔“

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعِيْ هَذِهِ وَ قُولِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُولِيْنَ»

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والوليمة: ۵۱۴۷)

”(اے بچی!) اسے رہنے دے اور اسی طرح کہہ جس طرح پہلے کہہ رہی تھی۔“

غور فرمائیں! غزوہ بدر سے متعلق جہادی اشعار پڑھے جا رہے ہیں۔ ایک بچی نے محض اللہ کے رسول ﷺ کی پیش گوئیوں کو مد نظر رکھ کر ایک بات کہی لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے بھی فوراً منع کیا کہ وہ پیش گوئیاں تو آپ ﷺ کے تبلانے سے بتاتے ہیں جبکہ مستقبل کی خبریں تو وہ نہیں جانتے، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً ٹوک دیا اور ایسی نعت چھوڑنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ وہی جہادی باتیں، بدر کی یادیں، شعروں کی صورت میں جاری رکھو کہ یہی رسول ﷺ کی نعت ہے۔ یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت ایمان کی دلیل ہے، محبت رسول ﷺ کے بغیر تو ایمان ہی غیر معتبر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ»

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان: ۱۵)

”تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے

نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ بن جاؤں۔“

یاد رکھیے! محبت یہیں کہ صرف محبت اور عشق کے دعوے ہوں بلکہ محبت کا معیار بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے بتا دیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ وضو فرمار ہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کا پانی جسموں پر ملنا شروع کر دیا۔ امام الانبیاء ﷺ نے پوچھا:

”کون سی چیز تمھیں اس پر ابھار رہی ہے؟“ انہوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَيَصُدُّقْ
حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُوَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا أَوْتُمَنَ وَلْيُحِسِّنْ جِوَارَ مَنْ
جَاؤَرَهُ»

(شعب الایمان، باب فی تعظیم النبی ﷺ واحلاله و توقیره ۱۵۳۳ - هدایة الرواۃ، کتاب الادب، باب الشفقة والرحة علی الخلق ۴۹۲۰)

”جسے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو وہ جب بھی کوئی بات کرے تو پھر بات کرے، امانت میں خیانت نہ کرے اور ہماسائیوں سے اچھا سلوک کرے۔“
الشیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

یعنی محبت کا معیار سنت رسول ﷺ پر عمل ہے۔ یہ نہیں کہ عیسایوں کی طرح رسول ﷺ کی نعمتیں کہہ کر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ملادیا جائے۔ جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی تعریف میں مبالغہ آرائی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللَّهُ»

(مسند احمد: ۳/۲۴۹)

”مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم مجھے اس مقام سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، بڑھاؤ۔“

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث کی سند صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے۔“

(سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱۹۷)

چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

«مَا شَاءَ اللَّهُ وَ شِئْتَ»

”جو اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ چاہیں۔“

اس پر آپ ﷺ نے کہا:

«أَجَعَلْتَنِي وَاللَّهُ عَذْلًا؟ بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ»

”کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا مدمقابل بنا دیا؟“ بلکہ یوں کہو کہ جس طرح اللہ اکیلا چاہے۔

(مسند احمد: ۲۱۴ / ۱ - سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۱۳۹)

اس حدیث کی اکثر روایات میں «أَجَعَلْتَنِي مَعَ اللَّهِ عَذْلًا» کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں ”نِدَّا“ کا لفظ بھی ہے۔

قارئین کرام! آج عاشقان رسول کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی نعمت ایسی ہو جس میں اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا مدمقابل نہ بنایا گیا ہو۔ حالانکہ آپ ﷺ نے بار بار ایسے طرز عمل سے روکا ہے کیونکہ یہ طرز عمل عیسائیوں کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْ فِي الدِّيْنِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلُكُمُ الْغُلُوْ فِي الدِّيْنِ»

(ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی : ۳۰۲۹ - مسند احمد :

۲۱۵ / ۱ - قال الالباني استناده صحيح و رجاله ثقات رجال الشیخین وقال الحاکم هذا حديث على شروط الشیخین)

”دین میں مبالغہ آرائی سے فج جاؤ کیونکہ جو تم سے پہلے تھے (یہود و نصاریٰ) انھیں دین میں مبالغہ آرائی ہی نے ہلاک کر دیا۔“

قیامت کا منظر:

مسلمانو! یاد رکھو! آج جو تم اللہ کے رسول ﷺ کی نعمتوں میں غلوکر رہے ہو اس سے قیامت کے روز اللہ کے رسول ﷺ بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ عیسائیوں کے مشرکانہ اور مبتدعانہ کاموں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

قیامت کو پیش آنے والا نقشہ پہلے ہی سورہ مائدہ میں بیان فرمادیا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَسُوسَى أُبْنَ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلْمَسِيرِ أَنْجِذُونِي وَأَنْجِنِي
إِنَّهُمْ مِنْ دُونِنِ اللَّهِ قَالَ سُبِّحْتَكَ مَا يَكُوْنُ لِي أَنْ أَفُولَ مَا لَيْسَ لِي
يَعْلَمُ إِنْ كُنْتَ قَدْتَ قَدْتَهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي
نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَذْنَ الْعَيْوبِ إِنَّمَا قَلْتَ لَهُ إِلَّا مَا أَمْرَهُنِي بِهِ إِنَّ
أَعْبُدُ وَاللَّهُ أَرْبَقُ وَرَبِّكُمْ وَكُنْتَ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا إِمَادَتْ فِيهِ فَلَمَّا وَفَتَيْتَنِي
كُنْتَ أَنْتَ الْمَرْقِبُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(النَّالِدَة: ١١٦-١١٧)

”اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبد بنالو؟“ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: ”سبحان اللہ! مجھے شایاں نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ بے شک غیبوں کے جانے والے آپ ہی ہیں۔ میں نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ جس کا آپ نے حکم فرمایا تھا، یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک کہ میں ان میں موجود تھا لیکن جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ ہی ہر چیز پر شاہد ہیں۔“

اب دیکھیے! اللہ تعالیٰ کے آخری رسول امام الانبیاء ﷺ اپنی امت کو اپنے بارے میں کیا نصیحت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى إِبْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا

عَبْدُ اللَّهِ وَ رَسُولُهُ

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ”واذکر فی الکتب مريم اذا نتبدلت من اهلها“: ٣٤٤٥)

”میری تعریف میں مبالغہ کرو جس طرح عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں عیسائیوں نے مبالغہ کیا تھا۔ پس میں اس کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“

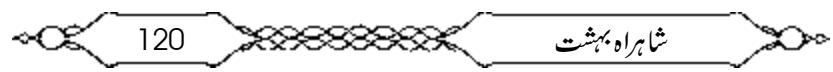
اور اب جو کوئی اس نصیحت کے باوجود بازنہ آئے، اللہ کے رسول ﷺ کو مختار کل، حاضر ناظر، عالم الغیب کہتا پھرے اور دیگر خدائی صفات آپ ﷺ میں مانتا پھرے، میلا دمنا تا پھرے، آپ ﷺ کو اللہ کے نور میں سے نور کہہ کر غلوکرتا پھرے..... تو اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق پھر قیامت کے روز جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیں گے وہی جواب آپ ﷺ اپنی امت کے ان لوگوں کے بارے میں دیں گے جو ایسے لمحن اختیار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ»

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ مائدہ، باب و کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم..... الح: ٤٦٢٦)

”پس میں محمد ﷺ وہی جواب دوں گا جو اللہ کا صالح اور نیک بندہ (عیسیٰ علیہ السلام) دے گا۔“





باب نمبر ۲

مسلمانوں اور عیسائیوں کی میلادی عید یہ!

(کرسمس ڈے اور جشن عید میلاد النبی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 «لَتَتَّبَعُنَ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرَا وَ ذِرَاعَا حَتَّى لَوْ
 دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَعْتَمُو هُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى؟
 قَالَ فَمَنْ؟»

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما قول النبی لتبعدن
 سنن من کان قبلکم : ۷۳۲۰)

”تم پہلی امتوں کے طریقوں کی پیروی میں ایسے برابر ہو جاؤ گے جیسے بالشت برابر
 بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں
 گھسے تھے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”اے اللہ
 کے رسول ﷺ! کیا ہمارے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے؟“
 آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اور کن کی؟“

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ متنبہ اور خبر دار کر دینے والا فرمان اکثر نگاہوں سے گزرتا ہے اور
 جسم پر ایک جھر جھری اور کچپی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ کیا مسلمان قوم یہودیوں کے

دوش بدوش چلے گی؟ جو کہ اللہ کی مغضوب قوم ہے اور کیا عیسائیوں کے قدم بقدم چلے گی؟ جو کہ گمراہ (الظالین) قوم ہے۔ مگر فرمان رسول ﷺ بھی تو برق ہے۔ چنانچہ اس بار ۲۵ دسمبر کو میں لاہور کے دو بڑے گرجا گھروں میں جا پہنچا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ عیسائی کیا کرتے ہیں؟ تاکہ اپنے مسلمانوں کی خبری جائے کہ وہ ان کی نقلی اور ان کے لچھن اختیار کرنے میں کہاں تک پہنچ پائے ہیں، اس مشاہدہ کے بعد پھر اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کی ابتداء جنبیت کے ماحول میں ہوئی اور عنقریب یہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی لوٹ آئے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبُنِي لِلْغُرَبَاءِ»

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا..... الخ: ۱۴۵)

”اسلام کا آغاز اجنبیت میں ہوا اور عنقریب یہ اسی حالت میں لوٹ آئے گا جس حالت میں اس کا آغاز ہوا، چنانچہ ایسے اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«قِيلَ مَنِ الْغُرَبَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ»

(مجمع الزوائد: ۷/۲۷۸۔ المعجم الكبير للطبراني: ۵۸۶۷ علامہ ہیشمی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔)

”کہا گیا：“اے اللہ کے رسول ﷺ! اجنبی کون لوگ ہیں؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”وہ لوگ جو اس وقت اصلاح کرتے ہیں جب لوگوں میں فساد پھیل جائے۔“

۲۵ دسمبر جیسا کہ سب کو معلوم ہے، یہ حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش کا دن ہے۔ چنانچہ اس روز پوری دنیا کے عیسائی اپنے نبی ﷺ کا میلاد مناتے ہیں۔ یہ روز ان کے ہاں عید کا دن

ہے۔ وہ اسے بڑا دن بھی کہتے ہیں۔ اس دن وہ اپنے گھروں، بازاروں اور گرجا گھروں کو خوب سجاتے ہیں اور اپنی عبادت گاہوں میں عبادت بجالاتے ہیں۔

جب میں چرچ میں پہنچا تو.....:

۲۵ دسمبر کو میں لاہور کے کیتھرل گرجا گھر میں گیا، عورتوں مردوں اور بچوں کا ایک جم غیر تھا، جو گرجا گھر میں داخل ہونے کو بے تاب تھا۔ آخر پر میں بھی اندر جا داخل ہوا۔ منتظمین میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر کہا: ”آپ مسلمان لگتے ہیں۔“

میں نے کہا: ”بالکل مسلمان ہوں۔“ ”تو پھر یہاں کیوں؟“ اس نے فوراً سوال کر دیا۔ میں نے کہا: ”بس آپ کی عبادت دیکھنے آیا ہوں۔“

اور پھر اس نے مجھے آگے لے جا کر بیٹھا دیا۔ اب پادری نے تقریر کرنا شروع کر دی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً دعائیں بھی مانگی گئیں، نذرانے اکٹھے کیے گئے، راہبہ لڑکیوں نے لوگوں کو خاص قسم کا تبرک کھلایا جو کہ بتائے کی طرح کسی درخت کے پتے جیسی باریک کوئی میٹھی چیز تھی، جسے وہ لڑکی تبرک لینے والے کے منہ میں ایک چٹپی کے ساتھ رکھ دیتی تھی۔ پادری جو کہ سنہر اگاؤں پہنچے ہوئے تھا، خوشی سے موم بتیاں روشن کرتا اور پھر دعا مانگتا۔ بھی وہ کہتا: ”خدا یسوع کے روپ میں زمین پر آیا،“ اور بھی کہتا: ”اس نے اپنے بندوں سے، محبت کرنے کے لیے اپنے بیٹھے یسوع کو بھیجا، تاکہ وہ سویں پر چڑھ کر تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے اور یہ کہ یسوع کی پیدائش پر خدا نے خوشیاں منائیں تو ہم بھی خوشیاں مناتے ہیں۔“

پھر دعا میں یہ الفاظ بار بار کہتا: ”اے خدا! یسوع کے واسطے سے ہماری دعاوں کو قبول کر،“ گرچے کو سنہری اور رنگ برلنگی جھنڈیوں سے خوب سجایا گیا تھا، ڈھول کی تھاپ پر دو تین عیسائی اپنے نبی کے میلاد کی خوشی میں نعمتیں پڑھنے میں مصروف تھے۔ ایک دوسرے پادری نے بھی پنجابی میں چند گیت پڑھے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں تھے۔

چرنی کیا ہے؟

عاشقان عیسیٰ (علیہ السلام) یعنی میلادی عیسائیوں کے ہاں میلاد النبی کے جشن میں ”چرنی“ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت مریم (علیہ السلام) جو کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کی نسل سے تھیں، ان کی منگنی ایک نوجوان یوسف سے ہو گئی۔ منگنی کے دوران ہی حضرت مریم (علیہ السلام) حاملہ ہو گئیں، پھر ان کا منگنیت یوسف حضرت مریم (علیہ السلام) کو لے کر گلیل کے شہر ناصرت سے بیت اللحم کو چل دیا۔ وہاں دوسرے لوگ بھی جا رہے تھے، کیونکہ مردم شماری کے لیے وہاں سب کو پہنچنے کا حکم تھا۔ چنانچہ یہ شہر کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرے، وہاں اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ رات کو کنواری مریم (علیہ السلام) کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ بچے کو لشانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی تو اسے جانوروں کے چارے کی جگہ لٹا دیا گیا۔ پنجابی میں جسے ”کھرلی“ کہتے ہیں اس میں بچے کو لٹا دیا گیا۔ چارے والی اس کھرلی کو ”چرنی“ کہا جاتا ہے۔

اب میلاد کے موقع پر یہ چرنی بنائی جاتی ہے، اس میں ایک بچے کا بات رکھ دیا جاتا ہے، پاس خوبصورت کھلونے رکھ دیے جاتے ہیں۔ یوں چرنی بنانا میلادر رسول کا اہم اور بنیادی جزو ہے۔

چنانچہ عید میلاد کی عبادت جب اپنے اختتام کو پہنچی تو اعلان کیا گیا کہ ”چرنی“، اس طرف ہے، اس کی زیارت کر کے جائیں۔ چرنی کیا ہے؟ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں چرنی کی نقل بنائی گئی تھی۔ ایک بچے کا پتھری مجسمہ بنایا گیا تھا۔ سامنے شیشہ تھا، اس کے آگے پیتل کی باڑ لگادی گئی تھی، یہ چرنی تھی اور اس کے اوپر ایک عورت کا مجسمہ تھا، جو ہاتھ میں کچھ لیے کھڑی تھی، عیسائی یہاں سجدہ ریز تھے۔ دروازے سے نکلتے وقت بھی ایک خوبصورت چرنی بنائی گئی تھی۔ اس میں پہاڑیاں دکھائی گئی تھیں۔ انسانوں، جانوروں اور پتھروں کے بت تھے۔ یہاں بھی لوگ نذرانے والے رہے تھے اور عقیدت کے پھول نچاہو رکر کے آگے بڑھ رہے تھے۔

عید میلاد کی رسومات پادریوں کی نظر میں:

آئیے! اب ملاحظہ فرمائیں لاہور کے عیسائی پادریوں کی باتیں۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والی تفصیلات کے مطابق..... لاہور میں پروٹوٹنٹ فرقے کے بہب الیگزینڈر جان ملک سے جب میلاد کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

”کرسمس کا تہوار حضرت یسوع مسیح کے یوم پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اور دنیا کے لیے نجات اور گناہ پر فتح کا نشان بن کر گئے۔“

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ بہب صاحب میلاد کے حوالے سے ایک زبان زد عام روایت کا ذکر روایتی انداز میں تو کرتے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ تو اچھا اب آگے چلیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کے موقع پر کرسمس فادر کے کردار کو بڑا ہم مقام حاصل ہے۔ یہ کیوں ہے اور کیسے شروع ہوا؟ یہ آپ کی تھڈرل سکول لاہور کے پرنسپل اور پادری الیں کے داس کی زبان سے سنیے۔

کرسمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟

”کرسمس فادر کو ”سینا کلاز“ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ روایت لندن سے شروع ہوئی، ایک عمر سیدہ شخص لندن میں کرسمس کی رات مختلف جگہوں اور گھروں میں جاتا اور بچوں کے لیے کرسمس کے تھائف چھوڑ آتا، جو بچوں کے لیے بڑی مسرت اور خوشی کا باعث بنتے۔ بچوں اور بڑوں کی ایک مدت سے یہ خواہش اور آرزو تھی کہ وہ اس شخصیت کے بارے میں معلوم کریں۔ چنانچہ ایک کرسمس کی رات انہوں نے تھیہ کیا کہ وہ اس شخصیت کے بارے میں ضرور پتا چلائیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ کرسمس کی رات جاگتے رہے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا راہب ان کے گھروں میں بچوں کے تھائف رکھ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ اس طرح کرسمس فادر کی روایت نے جنم لیا۔

عیسائیوں کے میلاد النبی میں سیننا کلاز یا کرسمس فادر کی روایت نے کیسے جنم لیا؟ یہ تو آپ نے ملاحظہ کر لیا، اب کرسمس ٹری (میلادی درخت) کے بارے میں بھی ایس کے داس ہی سے سنئے۔

”کرسمس ٹری“ کی بدعت کب اور کیسے شروع ہوئی؟

”ایک روایت کے مطابق جرمی میں ۱۹ دین صدی میں مارٹن لوٹھر کرسمس کی شام ۲۴ دسمبر کو اپنے بچوں کے ساتھ قربی جنگل میں دعا کرنے کی غرض سے گئے۔ جب وہ درختوں کے درمیان چل پھر رہے تھے تو انہوں نے اچانک اوپر نگاہ اٹھائی تو اجرام فلکی کو چکتے دیکھا۔ یہ نظارہ ان کے من کو بھاگیا۔ انھیں یسوع مسیح کی پیدائش پر ستارے کے ظہور پذیر ہونے کا وقت یاد آگیا۔ وہ اس نظارے سے بے حد متأثر ہوئے کہ جنگل میں سے ایک برف آلو دشاخ گھر لے آئے۔ اسے مزین کیا، دوستوں کو مدعو کیا۔ سبھی اس نظارے سے لطف اندوز ہوئے اور اسے کرمس روایت سے تعبیر کیا اور یوں کرسمس ٹری (میلادی درخت) کی روایت کا آغاز ہوا۔“

قارئین کرام! عیسائیوں کی اس میلادی روایت پر، جواب ان کا مذہب بن چکا ہے، غور فرمائیے! یہ بالکل ایسے ہی لگتا ہے جیسے کسی بچے کے دل کو کوئی شے بھا جائے، پھر وہ اپنے ساتھی بچوں کو اکٹھا کر لے اور پھر اس موقع پر وہ کچھ معموم سی حرکتیں کرے۔ یہ روایت بھی کچھ ایسے ہی محسوس ہوتی ہے..... اچھا..... خیر..... یہ روایتیں تو بنی رہیں مگر یہ میلاد شروع کب ہوا؟ تو آئیے یہ پروفیسر کٹور یہ پیٹریک سے معلوم کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں:

”کرسمس کے موقع پر کیرل یعنی خوشی اور شادمانی سے بھر پور حمد و شنا کرتے ہیں۔ تاریخی حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود فرمانے (آسمان کی طرف اٹھائے جانے) کے تقریباً ایک سو برس بعد پاپائے روم نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مسیحی لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں گیت گانے چاہیں۔

سب سے پہلے سینٹ فرانسیسی نے یہ گیت لکھے اور گائے۔ اب ہر شخص اپنی علاقائی زبان میں کیرل گا کے خدا کی حمد و شکر نے لگا ہے۔“

جشن عید میلا دا نبی ﷺ

پہلی بات تو یہ ہے کہ انجیل اگر درست حالت میں موجود بھی ہوتا بھی وہ قرآن آجائے کے بعد منسون ہے۔ مگر یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ عیسائی خود چار انجیلوں کو مانتے ہیں، جب کہ نازل ایک ہوتی تھی۔ پھر وہ انجیل جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی، اس کی جو زبان تھی، آج وہ زبان ہی ختم ہو چکی ہے۔ پھر ان چاروں میں سے ہر ایڈیشن پہلے سے مختلف ہے، تو یوں عیسائیوں کی انجیل ہی خود ساختہ ہے، باقی رسمات کا کیا کہنا!! مگر افسوس تو یہ ہے کہ عاشقان رسول عیسائیوں کی نقل میں عید میلا دمنا رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس قرآن و حدیث کی شکل میں دین محفوظ ہے۔ اس کی زیر زبر تک محفوظ ہے۔ اس دین میں عید میلا دا کہیں وجود نہیں۔ نہ یہ دن اللہ کے رسول ﷺ نے خود منایا، نہ اسے منانے کا حکم دیا اور نہ صدیق و فاروق ﷺ نہیں جیسے محبان رسول ﷺ نے منایا۔ محمد شین نے ”کتاب العیدین“ کے نام سے حدیث کی کتابوں میں ابواب باندھے، مگر تیسری عید کی نماز کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ نظر کیسے آئے کہ اس تیسری عید کا طریقہ تو وہی ہے جو حضرت عیسیٰ ﷺ کے نام نہاد پیر و کاروں کا ہے کہ بازاروں میں جلوں نکلا جاتا ہے، اس میں بھگیاں، ڈولیاں، بیل گاڑیاں اور ٹرالیاں چلائی جاتی ہیں، یا رسول اللہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، گنکا کھیلا جاتا ہے، گھوڑے نچائے جاتے ہیں، نوجوان ڈالس کرتے ہیں، ڈھول اور طبلے بجھتے ہیں، چمٹے کھڑکتے ہیں، انڈرین اور انگلش میوزک کی تانیں بجائی جاتی ہیں۔

وفات کے دن جشن !!

پہلے دو اصلی عیدوں کے عید کا رڑھ پختے تھے، عیسائیوں کی نقل میں اب اس تیسری مصنوعی

عید کے کارڈ بھی چھپنے لگے ہیں۔ عیسائیوں کی ”چرنی“ کی نقل اس طرح اتاری گئی ہے کہ میلاد کی رات کو بازاروں میں پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں، وہاں بچوں کے مجسمے اور کھلونے رکھے جاتے ہیں۔ یوں ”چرنی“ کی نقل میں ملک بھر کے بازار پہاڑیوں سے سچ جاتے ہیں۔ وہاں گانوں، قوالیوں اور نعمتوں کو سنا یا جاتا ہے۔ یوں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ہم ہر لحاظ سے آگے ہیں۔ وہ تو صرف ”ایسٹر“ کا جلوں نکالتے ہیں جبکہ ”عید نزول روح القدس“، اپنے گرجوں میں مناتے ہیں، مگر مسلمان عاشقان رسول چہارشنبہ کا دن بھی سڑکوں پر مناتے ہیں، میلاد بھی بازاروں میں مناتے ہیں اور وفات منانے کا تو عجب ڈھنگ ہے۔

ویسے میلاد اور وفات کے دنوں کا معاملہ بھی ان کے لیے عجب شکل اختیار کر گیا ہے کہ وفات کے دن پر تو سب متفق ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ربع الاول کو فوت ہوئے تھے، مگر پیدائش کے بارے میں مورخین نے مختلف تاریخیں رقم کی ہیں۔

قاضی سلیمان منصور پوری ﷺ نے اپنی سیرت کی کتاب ”رحمت للعالمین ﷺ“ میں اور مولانا شبلی نعماںی نے اپنی کتاب ”سیرت النبی ﷺ“ میں تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ اب لوگ میلاد ۱۲ ربيع الاول کو منا رہے ہیں، تو وفات کا بھی یہی دن ہے، لہذا وہ خوشی میں غمی کی بھنگ ڈالنے سے تو رہے۔ چنانچہ انھوں نے وفات منانے کا ڈھنگ اس طرح نکالا کہ کھاریاں کے قریب ”موہری شریف“ میں نواب دین کی قبر پر اس کے بیٹے خواجہ معصوم نے اللہ کے رسول ﷺ کا عرس منانا شروع کر دیا۔ (نعمود بالله من ذلك) پھر اس نے پورے ملک میں اپنے خلیفے پھیلا دیے جو اللہ کے رسول ﷺ کے عرس کا اہتمام کر رہے ہیں۔ گوجرانوالہ میں خواجہ منیر حسین نے اپنے باپ خواجہ کرامت حسین کی قبر پر اللہ کے رسول ﷺ کا عرس منانا شروع کر دیا۔ قبریں کسی اور کی اور عرس اللہ کے رسول ﷺ کا !!!مزید نہلے پڑھا یہ ہے کہ ان عرسوں کے انعقاد کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ اپنی مقرر کی ہوئی مختلف تاریخیں ہیں۔ اس طرح عاشقان رسول نے کچھ عرصہ سے چہارشنبہ کا

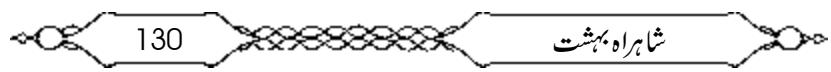
جلوس بھی نکالنا شروع کر دیا ہے کہ اس روز اللہ کے رسول ﷺ نے غسل صحت فرمایا۔ لیکن حقیقتاً غسل فرمایا تھا نہیں، اس سے انھیں کوئی غرض نہیں، انھیں تو جلوس نکالنا ہے، پہلی امتوں سے آگے بڑھنا ہے۔ غرض ”بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا“ کے مصدقہ نام مشہور ہونا چاہیے خواہ بدنام ہو کر ہو۔ حلوب اور کھیر ملنی چاہیے، خواہ عیسائیوں کی نقل میں ملے یا ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ملے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے یہ بھی بعید نہیں کہ کل کلاں کر سس بھی منانا شروع کر دیں، جب کا والی والی سرکار، کتیاں والی سرکار، بلیاں والی سرکار اور گھوڑے شاہ والی سرکار کا عرس منایا جا سکتا ہے تو عیسیٰ ﷺ تواللہ کے سچے پیغمبر اور پانچ اولو العزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں، جو مسلمان حضرت عیسیٰ ﷺ کا انکار کرے یا گستاخی کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، تو ان کا عرس کیوں نہیں منایا جا سکتا؟ ان کا میلاد کیوں نہیں منایا جا سکتا؟.....بس اگر ڈر ہے تو یہی کہ عیسیٰ ﷺ کا میلاد منانے پر ہمیں کوئی عیسائی نہ کہہ دے، وگرنہ امتیاز کوئی نہیں رہا۔

جشن میلاد النبی ﷺ کب اور کیسے شروع ہوا؟

سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ کی ایجاد چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلفاء کے ہاتھوں ہوئی، جو کثر راضی تھے، جن کی گمراہی میں معمولی سا بھی شک نہیں۔

جیسا کہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی نے اپنی کتاب ”المواعظ والاعتبار (۱/۳۹۰)“ اور علامہ قلقشنده نے اپنی کتاب ”صحح الأعشی فی صناعة الاتشاء (۳/۳۹۸، ۳۹۹)“، اور علامہ محمد بن خثیت مصری حنفی نے اپنی کتاب ”احسن الكلام (ص ۲۵، ۲۲)“ میں یہی بات تحریر کی ہے۔ اسی طرح ”الابداع فی مصار الابتداع (۲۱-۲۱)“ اور ”محاضرات الفکریہ (۸۲)“ میں بھی یہی تحریر ہے۔ ان کے بعد ایک خلیفہ آیا جس کا نام، افضل بن امیر الجوش تھا اس نے یہ میلاد وغیرہ بندر کر دیے پھر عیسائیوں کی دیکھا دیکھی عراق کے بادشاہ اربل نے ۶۰۲ھ میں میلاد النبی منانا شروع کیا۔ پھر یہ بڑھتے بڑھتے اب باقاعدہ تیسرا عید کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب تو



130

شهر

یازده

اہل بدعت نے دو قدم آگے بڑھ کر اس بدعتی اور مصنوعی عید کو ”عیدوں کی عید“ یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی مقرر کردہ دونوں عیدوں کی بھی سردار عید قرار دے دیا ہے۔ اس نو ایجاد عید کا سب سے بڑا جلوس لاہور میں نکلتا ہے اور لاہور سے شروع ہونے والے اس جلوس کے متعلق جناب عنایت قادری گدی نشین تکیہ سادھوواد کوچہ چاکب سواراں رنگ محل لاہور..... یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس جلوس کو سب سے پہلے لاہور میں انھوں نے شروع کیا تھا، وگرنہ اس سے پہلے کبھی عید میلاد کا جلوس نہیں نکلا تھا۔ اسی بنا پر لاہور میں عید میلاد کے لیے شائع ہونے والے اشتہارات میں عنایت قادری کا نام خاص طور پر لکھ کر ساتھ ”بانی جلوس عید میلاد النبی“ لکھا جاتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیں! عید میلاد کے جلوس کے بانی اور موجد ہم ہیں۔ بہر حال یہ بات تو ہر طرح سے ثابت شدہ ہے کہ عید میلاد کے جلوس کے لیے سب سے پہلے انگریز سے اس کا لائنس حاصل کیا گیا، پھر سب سے پہلے ۱۹۳۳ء میں لاہور میں پہلا میلادی جلوس نکلا۔

قارئین کرام! ہم آپ کو اس بدعت کی مزید تفصیلات اور حقیقت سے آگاہی کے لیے آج سے ۲۵ برس پچھے قیام پاکستان سے پہلے کے دور میں لیے چلتے ہیں، تاکہ اس میلاد النبی کے جلوس کی اصل کہانی تاریخ کی زبانی آپ کے سامنے آسکے۔

لبیجی لاہور کی لاہور یونیورسٹی سے ہوتے ہوئے اب ہم نصف صدی قبل کی اشاعت میں جھانکتے ہیں، جس میں علی الاعلان، واضح اور دوڑوک الفاظ میں معروف صحافی مصطفیٰ کمال پاشا عید میلاد النبی کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس مضمون کی دوسری خیال اس طرح ہیں:

”لاہور میں میلاد النبی کا جلوس کیسے شروع ہوا؟“

دوسری سرخی اس طرح ہے:

”علمائے کرام نے ایک قرارداد کے ذریعے اس یوم کو عید میلاد النبی ﷺ کا نام دیا،“

اس کے بعد مصطفیٰ کمال صاحب اپنی رپورٹ میں کہتے ہیں:

”آزادی سے پیشتر ہندوستان میں حکومت برطانیہ ۲۵ دسمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کو بڑے اہتمام کے ساتھ منانے کا انتظام کرتی اور اس روز کی فویت کو دو بالا کرنے کے لیے اس یوم کو ”بڑے دن“ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ بڑے دن کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دن ۱۲ گھنٹے کی بجائے ۱۶ گھنٹے کا ہوتا ہے بلکہ عوام یعنی نوجوانوں اور بچوں کے ذہنوں میں اس کی یاد کوتازہ رکھنے کے لیے دفتروں، کارخانوں، مدرسوں وغیرہ میں پندرہ روز کی رخصت دی جاتی تا کہ دنیا میں ثابت کیا جائے کہ حضرت مسیح ہی نجات دہنہ تھے۔

حضور پاک ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو اس دنیا میں تشریف لائے اور اسی روز آپ نے وفات پائی۔ کچھ لوگ اس مقدس یوم کو بارہ وفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ آزادی سے پیشتر اس یوم کے تقدس کے پیش نظر مسلمانان لاہور نے اظہار مسرت و عقیدت کے طور پر جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس چمن میں مسلمانان لاہور کا ایک وفد، جس میں خلیفہ شجاع الدین، ملک محمد الدین بیسرٹر، چودھری فتح محمد، محمد فیاض اور میاں فیروز الدین احمد مرحوم شامل تھے، گورنر سے ملا تو (اس کو) مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا..... گورنر نے مسلمانوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے جلوس نکالنے کی منظوری دے دی..... اسلامی جذبوں سے سرشار بزرگوں نے انجمن معین اسلام کے تحت، جس کے سیکرٹری جناب مفتی حمایت اللہ مرحوم (والد بزرگوار شاہ مفتی) نے جلوس نکالنے کا پروگرام مرتب کیا۔ ان دونوں کا نگریں اپنے اجتماع موری دروازہ میں منعقد کیا کرتی تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمان اپنے اجتماع موچی دروازہ میں منعقد کرتے تھے۔ لہذا موچی دروازہ کو سیاسی مرکز ہونے کے علاوہ سب سے پہلے عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکالنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ عملی طور پر جلوس کی قیادت انجمن فرزندان توہید موچی گیٹ کے سپرد ہوئی، جس میں حافظ معراج

دین، حکیم معین الدین، بابو سراج دین، شاہ الدین احمد، مستری حسین بخش چودھری فتح محمد، ملک محمد الدین یبرسٹر، چودھری کلیم الدین، مہر سراج دین اور میاں فیروز الدین احمد مسلم لیگی لیڈر جنہوں نے مسٹر جناح کو قائد اعظم کا لقب دیا اور دیگر نوجوان شامل تھے۔ ”دارالنذیر“ موبیکی دروازہ میں جلوس کے پروگرام اور انتظام کے متعلق اہم فیصلے کیے جاتے۔ انہیں کی زیر قیادت جلوس ہر سال مسلسل کامیابی و کامرانی سے نکلتا رہا۔ جلوس کا لائسنس اور اجازت نامہ میاں فیروز الدین احمد کے نام تھا۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم لیگ کے علاوہ تحریک خلافت بھی عوام میں مقبول تھی، لہذا ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء میں لائسنس میاں فیروز الدین احمد سیکرٹری خلافت کمیٹی کے نام پر کر دیا گیا۔ بعد کے دیگر لائسنس کے علاوہ ۱۹۳۴ء کے اجازت نامہ میں میاں فیروز الدین کو سیکرٹری مسلم لیگ کے طور پر منظوری ملی۔ جلوس کا آغاز ۱۹۳۵ء میں موبیکی دروازہ سے شروع ہو کر دیگر علاقہ جات سے ہوتا ہوا رات ایک بجے شاہی مسجد پہنچا۔ بعد میں دوسرا جلوس اندر وون شہر اور بھائی دروازہ سے گزرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر اختتام پذیر ہوا۔

جلوس میں گھوڑوں پر سوار نوجوان ہاتھوں میں نیزے لیے ہوئے گشت کرتے..... سیاسی، دینی اور سماجی کارکنوں کے علاوہ جلوس کے آگے پہلوانوں کی ٹولی بھی شمولیت کرتی، جس کی رہنمائی رسمیت زماں گاماں پہلوان اور امام بخش پہلوان وغیرہ کرتے۔ فنکار پارٹی اور دیگر نوجوانوں کی رہنمائی ماسٹر فیروز مرحوم انسٹرکٹر فزیکل ٹریننگ گورنمنٹ کالج لاہور کے سپرد تھی۔ ارکین خلافت کمیٹی شعبہ والبر کور، مجلس احرار، خاس کار، مجلس اتحاد ملت، نیلی پوش اور مسلم لیگی حضرات جوہر در جوہر شامل ہو کر جلوس کی رونق کو دو بالا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے۔

جلوس کے اختتام پر خلیفہ شجاع الدین (سپیکر اسمبلی) نواب شاہ نواز مودود، محمد فیاض اور میاں امیر الدین و دیگر معزز زین لاہور اچھی کارکردگی پر انعامات تقسیم کرتے.....

اس سے پیشتر یہ یوم ۱۲ وفات کے نام سے منسوب تھا۔ مگر بعد میں انجمن نعمانیہ تکمیلی گیٹ کے زیر اہتمام پیر جماعت علی شاہ، مولانا محمد بخش مسلم، نور بخش توکل اور دیگر علمائے کرام نے قرارداد کے ذریعہ اسے عید میلاد النبی ﷺ کا نام دیا۔
(روزنامہ مشرق: ۲۶ جنوری ۱۹۸۲ء)

قارئین! یہ تو تھی روزنامہ مشرق کی رپورٹ، اب مشہور ناول نگار نیم حجازی کے اخبار ”روزنامہ کوہستان“ کی رپورٹ بھی ملاحظہ کریں۔

اس کی دو سرخیاں کچھ اس طرح ہیں:
”لاہور میں عید میلاد النبی کب شروع ہوئی؟“
دوسری سرخی:

”پہلا جلوس ۱۹۳۳ء میں انجمن فرزندان توحید نے ترتیب دیا“
اس کے بعد اس کی تفصیل اس طرح بتاتے ہیں:

”لاہور میں عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس سب سے پہلے ۵ جولائی ۱۹۳۳ء بطبق
۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۲ء کو نکلا، اس کے لیے انگریزی حکومت سے باقاعدہ لائسنس
حاصل کیا گیا تھا۔ اس کا اہتمام انجمن فرزندان توحید موچی دروازہ نے کیا۔ اس
انجمن کا مقصد ہی اس جلوس کا اہتمام کرنا تھا۔

انجمن کی ابتدا ایک خوبصورت جذبے سے ہوئی، موچی دروازہ لاہور کے ایک
پر جوش نوجوان حافظ مراج الدین اکثر دیکھا کرتے تھے کہ ہندو اور سکھ اپنے دھرم
کے بڑے آدمیوں کی یاد بڑے شاندار طریقے سے مناتے ہیں اور ان دنوں میں
ایسے لمبے لمبے جلوس نکلتے ہیں کہ کئی بازار ان کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں۔ حافظ
مراج الدین کے دل میں یہ خیال آیا کہ دنیا کے لیے رحمت بن کر آنے والے
نبی ﷺ کی یاد میں اس سے بھی زیادہ شاندار جلوس نکلنا چاہیے، انہوں نے اپنے
 محلے کے بزرگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں

مستری حسین بخش رنگ ساز، شیخ قمر الدین و کیل مرحوم مستری خدا بخش مرحوم اور دیگر کئی بزرگ شامل تھے۔ آخر ایک انجمن قائم ہو گئی جس کا مقصد عید میلاد النبی کے موقع پر جلوس مرتب کرنا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل عہدہ دار تھے۔

۱۔ صدر مستری حسین بخش ۲۔ نائب صدر مہر معراج دین ۳۔ سیکرٹری حافظ معراج الدین ۴۔ پروپیگنڈا سیکرٹری میاں خیر دین بٹ (بaba خیر) ۵۔ خزانچی حکیم غلام ربانی۔

اشتہارات کے ذریعے جلوس نکالنے کے ارادہ کو مشتہر کیا گیا، چست اور چاق و چوبنڈ نوجوانوں کی ایک رضا کار جماعت بنائی گئی اور جگہ جگہ نعمتیں پڑھنے کا انتظام کیا گیا۔ ابوالاثر حفیظ جاندھری کے سلام کی مشق خاص طور پر بہم پہنچائی گئی۔ اس جماعت میں حسب ذیل نوجوان شامل تھے:

۱۔ سالار فیروز الدین (فزیکل انسلٹر کٹر گورنمنٹ کالج) ۲۔ نائب سالار محمد عادل خان (پشاور یونیورسٹی) ان کے علاوہ حکیم محمد عاقل خان حافظ محمد اشرف مستری ولایت حسین، محمد زبیر اور باباشا کی نے بڑے جوش سے حصہ لیا۔ موچی دروازہ کے دوسرے نوجوان بھی ان کے شانہ بٹانے تھے۔

جلوس کے لیے درخواست دی گئی تو ہندوؤں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ لیکن ملک محمد امین مرحوم کی کوششوں سے اجازت مل گئی اور انجمن لائسنس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

یہ جلوس ۱۹۷۰ء تک باقاعدہ نکلتا رہا۔ اس سال حکومت اور خاکساروں میں تصادم ہو گیا اور جلوس بطور احتیاج بند کر دیا گیا۔ ہندو اس جلوس کی روح رواں حافظ معراج الدین کے خلاف اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے لیکن ان کا کوئی وار کارگر نہیں ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک دفعہ رنگ محل میں دو پارٹیوں کا تصادم ہو گیا، جس میں ایک نوجوان جس کا نام فیروز تھا، قتل ہو گیا۔ ہندوؤں کی سازش نے اس قتل

میں حافظ مراجع الدین کو بھی ملوث کر لیا، لیکن ہندو کی یہ چال بھی کارگر نہ ہوئی۔

حافظ مراجع الدین کی عدم موجودگی میں مراجع الدین، ملک لال دین قیصر اور

فیروز دین احمد نے جلوس کا اہتمام کیا اور جلوس اسی شان سے انکلا۔

قیام پاکستان کے بعد حافظ صاحب سردار عبدالرب نشرت گورنر پنجاب سے ملے اور

انھیں اس بات پر رضامند کر لیا کہ جلوس حکومت کے اہتمام میں نکلے۔ چنانچہ اس

سال سرکاری اہتمام میں انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ جلوس نکالا۔ شاہی قلعہ

لاہور میں فوج کی پریئیہ ہوئی اور سلامی دی گئی۔

اس زمانے میں جلوس کی ترتیب اس طرح کی جاتی کہ اس مہینے کا چاند دیکھنے کے

بعد شہر کے ہر دروازے پر مندرجہ ذیل لوگ گولوں سے سلامی دیتے اور چاند کا

استقبال کرتے۔

موچی دروازہ کے باہر ڈپٹی سعادت علی خان مرحوم، لوہاری کے باہر انجمن خادم

الملین، موری دروازے کے باہر میاں عبدالرشید فتری، بھائی کے باہر استاد گام،

چودھری برکت علی اور فلمشار ایم اسماعیل، ٹکسالی کے باہر الاطاف حسین اور عاشق

حسین، مستی کے باہر حکیم تیر و اسٹی یوسف اور پہلوان، کشمیری کے باہر بیچا ابل اور

ان کے احباب، شیرانوالہ کے باہر باومتاز، یکی (دروازہ) کے باہر امداد علی عرف

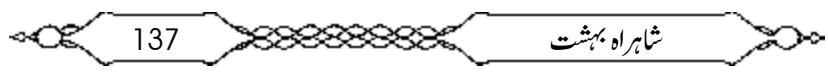
دادو مرحوم اور سرکی بند حضرات اکبری منڈی کے باہر، عبدالستار دلی (دروازہ کے

باہر)۔“ (روزنامہ کوہستان ۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء)

قارئین کرام! مندرجہ بالا تحریر پر غور کیجیے، وہی صورتحال سامنے آرہی ہے جیسا کہ عیسائیوں میں پوپ نے عیسیٰ ﷺ کے جنم دن کی خوشی میں محفل میلاد کا اضافہ کیا اور پھر پادری اضافے کرتے چلے گئے، اسی طرح فاطمی خلفاء نے بنیاد رکھی اور پھر مولوی اور صوفی اس

بدعت میں اپنا اپنا حصہ ڈال کر متواتر اضافہ کرتے رہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

حکومت وقت نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالنا شروع کر دیا۔ ولی دروازے کے سامنے



137

شهرهای بیهوده

میلاد چوک بنادیا ہے۔ ۲۱ تو پوں کی سلامی شروع کر دی گئی ہے۔ ڈھول ڈھمکا، بھنگڑے اور اب مغربی عیسائیوں کا مقبول ناج، ڈسکو ڈنس بھی خوب ہوتا ہے۔ فلمی گیتوں کی طرز پر شرکیہ نعمتیں بھی خوب گائی جاتی ہیں۔

عیسائی لوگ گرجوں کو سجاتے ہیں، وہاں ”چرنی“ بناتے ہیں اور گھروں میں میلادی درخت بناتے ہیں، تو یہ اسلام کے دعویدار بھی مسجدوں کو جھنڈیوں سے سجاتے اور چراغاں کرتے ہیں اور اپنے گھروں اور بازاروں میں پہاڑیاں بناتے ہیں۔ ان پہاڑیوں میں پلاسٹک اور مختلف دھاتوں کے بت رکھتے ہیں، اونچی آواز سے ریکارڈنگ ہوتی ہے اور چراغاں کر کے خوب تماشا کیا جاتا ہے۔ وہی تماشا جو عیسائیوں کے ہاں چرنی بنائی کیا جاتا ہے، وہ یہاں پہاڑی بنائی کیا جاتا ہے۔

عیسائی بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح ﷺ ہماری ان خوشیوں کے درمیان موجود ہیں جب کہ ۱۲ اریئع الاول کو میلاد منانے والے بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ۔

دِم بِدِم پُطُھو درود

حضرت بھی ہیں یہاں موجود

عیسائی حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں جب کہ آج کے مسلمانوں نے اپنے آخری نبی ﷺ کو اللہ کے نور میں سے نور قرار دے دیا یعنی عیسائیوں نے اپنے نبی کو اللہ کا حصہ کہہ ڈالا تو آج کے بعض مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کو اللہ کا حصہ قرار دے ڈالا، یوں مقابله جاری و ساری ہے۔

اسی طرح آج جو عید کارڈوں کی رسم جل نکلی ہے تو یہ رسم بھی عیسائیوں کی ہے۔

پادری ایس کے داس ان کارڈوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

”کرمس کارڈز کے سلسلے میں بھی بہت ساری روایات ہیں، ان میں سے ایک روایت کے مطابق پانچ سو برس قبل کرمس کارڈ بھیجنے کی روایت نے جنم لیا۔ اس سے قبل نئے سال کی آمد پر کارڈ بھیجے جاتے تھے۔ سب سے پہلے ایک ایسا کارڈ ۱۳۶۷ء

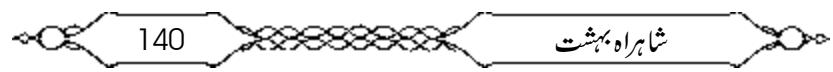
میں چھپا جس میں حضرت عیسیٰ ﷺ کو ایک چھوٹے بچے کے روپ میں بادلوں میں دکھایا گیا۔ یہ کارڈ آج بھی برطانیہ کے شہر آفیج بھر میں محفوظ ہے۔“
قارئین کرام! الغرض بات یہ ہے کہ ایک ایک بات میں عیسائیوں کی نقل جا بجا جاری ہے اور یہ بڑی ہی خطرناک اور ایمان نکلنے کی حرکت ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب من ليس الشهرة: ٤٠٣١)

”جس نے کسی قوم کی مشاہدت کی وہ انہی لوگوں میں سے ہے۔





باب نمبر ۵

کلمہ توحید

(کیا آپ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ سے واقف ہیں؟)

کلمہ ایمان کی اہمیت:

لا الہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کے اقرار سے انسان دائرہ کفر سے نکل کر دائرة اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، جہالت کی تاریک را ہوں کو ترک کر کے علم و آگی کی پر بصیرت را ہوں کا رہی بن جاتا ہے، کوئی بھی انسان جو اس کلمہ توحید کو اپنالے وہ شیطان کی بندگی سے نکل کر رحمان کی بندگی اور غلامی میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کسی کا سینہ اس کلمے کے نور سے روشن ہو جاتا ہے، وہ جہنم سے نج کر جنت کا وارث بن جاتا ہے، عرش عظیم کا رب اس کا میزبان بن کر اسے اپنے دیدار کی نعمت عظیمی سے نوازتا ہے اور یہ شہنشاہ کائنات کا مہمان بن کر زندگی کا آخری مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

تو کیا آپ ایسے عظیم کلمے کی اہمیت سے واقف ہیں؟ اس کے ترجیح اور تشریح سے آشنا ہیں؟ وہ تشریح کہ جو خود قرآن نے کی ہے، امام الانبیاء نے بتلائی ہے اور کیا آپ اس کے تقاضوں کو جانتے ہیں اور ان مطالبات کا علم رکھتے ہیں جو یہ کلمہ اپنے ماننے والوں سے کرتا ہے؟

اگر آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہیں تو یقین جانیے تو آپ اس دنیا کے خوش قسمت ترین افراد میں سے ہیں..... اور اگر نہیں جانتے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس دنیا کی تمام تر نعمتوں کے میسر آجائے کے باوجود ایسے لوگ سب سے زیادہ بد نصیب افراد میں سے ہیں، کیونکہ کلمہ ایمان کی نعمت اس کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے، عظیم اور سب سے وزنی نعمت ہے، جس سے یہ لوگ محروم ہو چکے ہیں۔

اس کلمے کی عظمت کا حال امام الانبیاء ﷺ کی زبان مبارک سے ملاحظہ فرمائیے:

”اگر ساتوں آسمان اور زمینیں ایک پلڑے میں اور یہ کلمہ توحید ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لا الہ الا اللہ کا کلمہ (وزن میں) بھاری ہو گا۔“

(کشف الخفاء للعجلونی: ۲/۴۵۔ الحاوی للفتاوی للرسیوی: ۲/۴۰)

یاد رکھیے..... اللہ کے رسول ﷺ نے اس کلمہ کی اہمیت سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اب اس آگاہی کا ہم سب سے تقاضا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے بے شک ساری کائنات کی دولت جاتی ہے تو جلی جائے مگر یہ کلمہ ایمان نہ جائے اور جہاں تک اس کرہ ارض (دنیا) کا تعلق ہے جس پر ہم قیام پذیر ہیں تو یہ کائنات کے مقابلے میں ریت کے ذرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، چہ جائیکہ اس دنیا کے کسی ایک حیر، فانی اور معمولی سے مفاد کی خاطر اس کلمے کے مطالبات کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اب آئیے..... ہم اس کلمے کے مطالبات اور تشریح اسی ذات بابرکات سے معلوم کرتے ہیں جس کی وحدانیت کی گواہی یہ کلمہ دیتا ہے۔

”لا“ کا قرآنی مفہوم:

کلمہ ایمان کا سب سے پہلا لفظ ”لا“ ہے اور یہ کسی چیز کی نفی کے لیے بولا جاتا ہے اس کے معنی ”نہیں“ کے ہیں۔ چنانچہ اس کلمے کی پہلی بات جو سمجھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت نفی سے شروع ہوتی ہے، معبدان باطل کے رد سے شروع ہوتی ہے، اللہ کے ذمتوں کی

مخالفت سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ قرآن میں اس کی تشریع یوں بیان کی گئی ہے:

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالْأَطْعَمَاتِ وَيُؤْمِنْ بِالْمَرْفُقَ دَأْسْتَمَكَ بِالْعَرْوَةِ
الْوُتْقَنَ لَا أَنْفَصَمَهَا وَالْمَدْسِيْعَ عَلَيْهِ ﴿٢٥٦﴾

”پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط کٹا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سننے اور جانے والا ہے۔“ معلوم ہوا اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوتوں یعنی اسلام کے باغیوں اور جھوٹے معبدوں کا انکار ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلام کی طرف دعوت دینے کی یہ جو ترتیب ہے، یہ اللہ کی قائم کی ہوئی ہے، اب کسی نامنہاد مصلحت پسند کی مصلحت اس ترتیب کو تبدیل نہیں کر سکتی۔

قانون الہی کے مخالف کی مخالفت:

مزید وضاحت کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَفَرَ بِمَا يُبَعَّدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَرَمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ»

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا اللہ.....الخ: ۲۳)

”جس نے لا اله الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے علاوہ جس چیز کی بھی عبادت کی جاتی ہے، اس سے کفر اور انکار کیا تو اس کی جان بخیگی اور مال محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔“

فرمان رسول ﷺ نے کلمہ توحید کا معنی و مفہوم بالکل واضح کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اور غیر اللہ کا انکار نہیں کرتا تو وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہیں ہے اور یہ کہ ایسے لوگوں کے خلاف جب جہاد ہو گا تو ان کی جان اور مال کی حفاظت اسلام کے

ذمہ نہیں ہوگی اور یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جب تک اللہ کی ذات کے مخالف، اس کے دین کے مخالف اور اس کے قانون کے مخالف کی مخالفت نہ کی جائے، اس کا انکار نہ کیا جائے، وہ چاہے انسان ہو یا کوئی نظام، اس کے ساتھ کفر نہ کیا جائے.....تب تک وہ لا الہ الا اللہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر اور قبول ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

کلمہ ایمان میں لفظ ”اللہ“ کا معنی و مفہوم: ”لا“ کے بعد و سر الفاظ ”اللہ“ ہے۔ اب اللہ کا قرآن اس کی تشریع کس طرح کرتا ہے، اس کا معنی و مفہوم کیسے متعین کرتا ہے.....؟ ملاحظہ کیجیے!

اللہ تعالیٰ سوالیہ انداز میں اپنے بندوں سے پوچھتے ہیں:

أَمْنَ خَلْقَ الْتَّمَوُّبِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَا شَاءَ
فَلَمْ يَنْبُتْنَا يَوْمَ حَدَّأَنِي دَادَكَ بِهِجَرَتُكَ مَا حَسَنَتَ لَكُمْ أَنْ شَرَّأَنَا
شَجَرَهَا أَنَّهُ مَعَ أَبِيهِ بْلَهُمْ قَوْمٌ يَعْدُونَ لَهُمْ أَمْنَ جَعَلَ الْأَرْضَ
قَرَارًا وَجَعَلَ كَلَّ خَلَقَهَا أَنْهَرًا وَجَعَلَ هَارَوْنَ حِيَ وَجَعَلَ بَيْتَ
الْبَحْرَيْنَ حَاجِرَالْأَيْنَهُ مَعَ تَدْوِيلَ أَنْكَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لَهُمْ أَمْنٌ
يُحِبُّ الْمُضطَّرَ إِذَا دَعَا وَيُكَيِّفُ الْمُؤْمِنَ وَيَحْمَدُهُمْ خُلُفَاءَ
الْأَرْضِ أَوْلَاهُ مَعَ اللَّهِ فَلَمَّا مَا لَذَحَرُوْدَتْ لَهُمْ أَمْنٌ
بِهِدِيَهُمْ فِي طَلْمَتَ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يَرِسِلُ أَزْرِيقَ بَرِّا
بَيْتَ بَدْقَ دَحِيَّةَ أَوْلَاهُ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشَرِّكُوْنَ
أَمْنٌ يَسِدُّ الْخَلْقَ ثُرَّ يَعِيدُهُ وَمَنْ يَرِزُقُهُ مِنَ النَّسَاءِ وَالْأَرْضِ
أَوْلَاهُ مَعَ اللَّهِ قَلْهَ أَوْلَاهُهُمْ كَمْ كَثُرَ صَنِيدِهِنَّ لَهُمْ أَمْنٌ

(الفصل: ٦٠-٦٤)

”بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھرے لیے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشمند باغ اگائے جن کے درختوں کو اگانا تمھارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ”اللہ“ ہے (جو ان کا مous میں شامل ہو)؟ بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنا�ا اور اس کے اندر نہریں جاری فرمادیں اور اس میں (پہاڑوں) کی میخیں گاڑ دیں اور پانی کے ذخیروں کے درمیان پرده حائل کر دیا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ”اللہ“ (ان کا مous میں (شریک کار) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندر ہیروں میں تم کو راستہ دھلاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ”اللہ“ ہے (جو ان کا مous میں شریک ہو)؟ اللہ بہت بلند و بالا ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (مارنے کے بعد) پہلی ہی حالت میں لوٹاتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور ”اللہ“ ہے جو (ان کا مous میں حصہ دار ہو)؟ اگر (یہ کسی کو سمجھتے ہیں تو) میرے نبی کہو کہ اپنی دلیل لاوے اگر تم سچے ہو؟“ اب ذرا دیکھیے اللہ تعالیٰ نے ان پانچ آیات میں اپنی کن کن قدرتوں اور عجیبات کا ذکر کیا ہے:-

- ۱۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا۔
- ۲۔ آسمان سے بارش کا برسانا۔
- ۳۔ بارش کے ذریعہ سر بزرو شاداب باغات کا اگانا۔
- ۴۔ زمین کو جائے قرار بانا۔
- ۵۔ زمین میں نہروں (دریاؤں کا جاری کرنا)۔

۶۔ زمین میں پہاڑوں کا گاڑنا۔

۷۔ دریا اور سمندر میں میٹھے اور کھارے پانی کے درمیان پرده حائل کر دینا کہ پانی کا اکٹھے بہنے کے باوجود باہم نہ ملتا۔

۸۔ مشکل وقت میں بے کسوں کی فریاد کو پہنچنا۔

۹۔ مشکل کشائی کرنا۔

۱۰۔ اس زمین پر انسانوں کو ایک دوسرے کا جانشین بنانا۔

۱۱۔ جنگل اور سمندر کے اندر ہیروں میں راہ دکھلانے کے لیے ستاروں وغیرہ کا بندوبست فرمانا۔

۱۲۔ بارش برسانے سے قبل خوشخبری کے طور پر ٹھنڈی ہوا میں چلانا۔

۱۳۔ مخلوق کو پہلی بار بغیر کسی نقشے کے پیدا فرمانا۔

۱۴۔ مارنے کے بعد اس مخلوق کو پھر پہلی اور اصلی حالت پر لوٹانا۔

۱۵۔ آسمان اور زمین سے رزق کا بندوبست فرمانا۔

یہ کل پندرہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان پانچ آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کا ذکر کر کے پانچ ہی مرتبہ اپنے بندوں سے پوچھا ہے : ”کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور اللہ (معبدو) بھی ہے جو ان کا موں میں شریک و شامل ہو؟“

قابل غور و فکر اور قابل عمل نکتہ:

یہاں ایک قابل غور نکتہ جو ذہن میں اچھی طرح بٹھانے کا ہے، وہ یہ ہے کہ پانچ ہی مرتبہ اللہ نے لفظ ”مع اللہ“ استعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انداز بیان خاص طور پر ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے جو بزرگ ہستیوں کے بارے میں یہ نظر یہ رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس دنیا کے امور میں اللہ کے ساتھ شریک ہیں۔ درصل ایسا سمجھنے کا نام ہی شرک ہے کہ اللہ کو بھی مانا جائے، اس کی قدرتوں اور اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے اور اللہ کے ساتھ ساتھ بزرگوں کو بھی اللہ کے اختیارات اور قدرتوں میں شریک سمجھا جائے۔

چنانچہ ان پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پندرہ قدرتوں کا ذکر کر کے اپنے بندوں پر واضح کر دیا کہ ان میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ جو یہ پندرہ امور سر انجام دیتا ہے اسے ہی "اللہ" کہتے ہیں۔

اب جن کا عقیدہ یہ پانچ آیات پڑھنے کے بعد درست نہ ہو، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں آیتوں کے آخر میں پانچ جملے ارشاد فرمائے ہیں، ملاحظہ:-

۱۔ یہ لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۲۔ ان میں اکثریت نادانوں کی ہے۔

۳۔ تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔

۴۔ اللہ بہت بلند ہے ان ہستیوں سے جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

۵۔ میرے نبی (علیہ السلام)! انھیں کہہ دو..... اگر تم سچے ہو تو دلیل لا۔

یہ قدرتیں اور عجائب جن کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے ان میں اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی بزرگ کو شامل سمجھتا ہے تو یہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے، وہ نصیحت بھی نہیں پکڑتا۔ ایسا عقیدہ بہر حال شرک ہے اور یہ شرک کرنے والا اپنے باطل عقیدے کے مطابق جس طرح چاہے شرک کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہستیوں سے جنہیں یہ اللہ کا شرک بنائے چلا جا رہا ہے، بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ اب ایسا شخص کہ اس کا اپنے اس نظریے پر اصرار ابھی تک جاری ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی (علیہ السلام) سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اس سے کہو: "تم اپنے اس دعویٰ کے حق میں دلیل لا، اگر تم اپنے اس عقیدے میں سچے ہو" کہ کوئی بزرگ ہستی اللہ کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہے۔

اب ایسا عقیدہ اور نظریہ رکھنے والے یہ بے چارے دلیل کیا لا میں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان پانچ آیات کے بعد چھٹی آیت میں دوبارہ اپنے نبی (علیہ السلام) سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

فُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا نَّحْنُ وَمَا يَنْعَلَمُ إِنَّا

(ان ۱۵: ۶۵)

یَعْلَمُونَ

”میرے رسول (علیہ السلام) کہو..... اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور انھیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب (قبوں سے) اٹھائے جائیں گے۔“

اور یہ بزرگ لوگ کہ جنہیں تم اللہ کے معاملات میں دخل سمجھتے پھر رہے ہو، وہ بے چارے دخل کیا دیں گے، وہ تو اس سے بھی بے خبر ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کسی دوسرے کی خبر سے کیا واقف ہوں گے، وہ تو اپنے آپ ہی سے ناواقف ہیں، انھیں تو اپنے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں کہ انھیں موت کے بعد کب اٹھا کر کھڑا کیا جائے گا۔ چنانچہ جو بے چارہ اس قدر بے بس اور بے خبر ہو وہ کسی کی خبر کیا لے گا!

مشرکوں نے پیغمبر اور اس کی ماں کو ”الہ“ بنادالا:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کسی کی بھی عبادت کی جائے، وہ نبی ہو یا ولی، پھر ہو یا اور کوئی چیز..... وہ اس شخص کا ”الہ“ بن جاتی ہے جو اس کی عبادت کرے۔ ہمارے اس دعویٰ پر قرآن کے دلائل ملاحظہ کیجیے اور ”الہ“ کے معنی اور مفہوم کو بھی مزید جاننے کی کوشش کیجیے۔

قیامت کا دن ہو گا، اس دن کا وہ منظر یاد کیجیے جب آدم علیہ السلام سے لے کر اس دنیا کے خاتمے تک جو آخری فرد پیدا ہونے والا ہے، سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے۔ فرشتے صاف باندھے حاضر ہوں گے، تمام انبیاء بھی موجود ہوں گے، جنات کی مخلوق بھی وہیں ہو گی، تب جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اللہ تعالیٰ کے رو برو کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے:

وَيَقَالَ اللَّهُ يَسِعِيْنِ اُبْنَهُمْ اَنْتَ قُلْتَ لِلَّهِ اِنْ اَعْذُّوْنِي وَإِنِّي
إِنَّهُمْ مِنْ دُوْنِنِ اللَّهِ قَالَ سُبْبَ حَنَّكَ مَا يَكُونُ لِيْ اَنْ اَنْوَلَ مَا لَيْسَ لِيْ
يَعْلَمُ اِنْ كُنْتَ فَلَمْ تَعْلَمْهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمْ مَا فِي نَفْسِي وَلَا اَعْلَمُ مَا فِي

نَفِسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَذْنَ الْغَيْبِ لَمْ تَعْلَمْ لَهُ إِلَّا مَا أَمْرَتِنِي بِهِ إِنْ
أَعْبُدُ إِلَّا إِلَهَكَ وَكُنْتَ عَلَيْهِ شَهِيدًا مَمْدُوتَ فِيهِ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنْتَ أَنْتَ الْرَّفِيقَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(النَّالِدَة: ١٦-١٧)

”اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو ”اللہ“ بنالو؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے: ”سُبْحَانَ اللَّهِ! مِيرَاءِ كَامِ نَهْتَهَا
كَهْ مِيْں وَهْ بَاتَ كَهْتَنَا جَسَ كَهْ بَنَجَهْ حَقَ نَهْتَهَا، أَكْرَمَ مِيْں نَهْ اِيْسِيَ بَاتَ كَهْيَ ہوَتَيْ
تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ تو جو کچھ میرے دل میں ہے جانتے ہیں اور نہیں جانتا
جو کچھ آپ کے جی میں ہے، بے شک آپ ہی غیبوں کو خوب جانے والے ہیں۔
میں نے انھیں صرف وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ اللہ کی
عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا بھی۔ میں اس وقت تک ان (نصاریٰ)
کا گنگر ان تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا، جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو ان پر
آپ ہی گنگر ان تھے اور آپ ہی ہر شے پر گنگر ان ہیں۔“

ثابت ہوا کہ جب عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت کی تو درحقیقت
انھوں نے دونوں ماں بیٹے کو اپنا ”اللہ“ بنالیا۔

قوم نوح نے اولیائے کرام کو ”اللہ“ کا مرتبہ دے دیا:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا

يَقُولُ مَعْذُوا لَهُ مَا لَكُمْ مِمْنَ إِلَيْهِ غَيْرُهُهُ
رِإِلَمْعَرَاف: ٤٩

”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی ”اللہ“ نہیں ہے۔“
قوم کے لوگ یہ وعظ سن کر آپس میں کہنے لگے:

لَا نَذِرَنَّ، لَا يَهْتَدُونَ وَلَا يَذَرُونَ وَلَا يَوْمًا وَلَا يَغُوثَ وَلَا يَعُوقَ وَلَا سَرَّا

(نوح: ٦٣)

”اپنے معبدوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسروں کو چھوڑنا۔“
یہ پانچ شخصیتیں (پنج تن) نوح علیہ السلام سے پہلے نیک ہستیاں ہو گز ری تھیں۔ یہ بزرگ
ہستیاں اولیائے کرام کی ہستیاں تھیں، جنہیں اس وقت کے لوگوں نے اپنا ”اللہ“ بنا کر کھاتا۔
مشہور صحابی رسول علیہ السلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو
یہ بات بھائی کہ یہ نیک لوگ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کرو اور
اس پتھر کو ان کے نام سے پکارو۔ لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا، جب پہلے لوگ مر گئے
اور علم ان سے جاتا رہا تب ان کی اولاد نے ان کی یادگاروں کی عبادت شروع کر
دی۔“

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وَذَا وَلَا سَوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَلَا يَعُوقَ:
(٤٩٢٠)

قرآن و حدیث کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح نے ان اولیائے کرام کی
عبادت کر کے انھیں اپنا ”اللہ“ بنا لیا تھا۔

قوم ابراہیم نے ”اصنام“ پتھر کی تصاویر کو اپنا ”اللہ“ بنالیا:

فَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِمَاءَ إِذْ أَتَتْنَاهُ أَصْنَامًا إِنَّمَا يُنَبِّهُ إِنَّمَا
وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ مُسَكِّنٍ مُّبِينٍ (١٧)

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا: ”کیا تو نے اصنام (بتوں) کو
”اللہ“ بنالیا؟..... بلاشبہ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گرا ہی میں خیال کرتا ہوں۔“
معزز قارئین! آپ نے قرآن کی راہ نمائی ملاحظہ فرمائی کہ پیغمبر ہو یا اس کی والدہ، اولیاء

ہوں یا اصنام ان میں سے جس کسی کی بھی عبادت کی جائے وہ عبادت کرنے والے کا ”الہ“ ٹھہرتا ہے۔

لگ ”الہ“ کیوں بناتے ہیں:

لگ اللہ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ ”الہ“ کیوں بناتے ہیں، ان سے ان کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ اگر انہیں اللہ بنانے سے ان کا مقصد اپنی حفاظت ہے، مصائب و آلام سے بچنا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے مقاصد سے کہ جنہیں غیر اللہ سے وابستہ کیا گیا ہے، پر تجھ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَمْ لَهُمْ عَالِهَةٌ مُّنَعِّمُهُمْ بِمَنْ دُونُكُمْ لَا يُمْسِطُّونَ بَصَرَ
أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ قَابِلُونَ بِحَسْبِهِمْ
(الإِنْبَاء: ٤٣)

”کیا ان کے کوئی ایسے ”الہ“ بھی ہیں جو ہمارے علاوہ ان سے مصائب کو روک لیں گے؟ یہ تو اپنی مدنیت کر سکتے اور نہ ان کو ہماری تائید ہی حاصل ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کی نفی کر دی۔ ایک یہ کہ یہ بزرگ اپنے مانے والوں پر آنے والی آفتوں کو ٹال دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان بزرگوں کو اللہ سے کوئی خصوصی تعلق ہے، جس کی وجہ سے اللہ ان کی کسی بات کو ٹالتا نہیں۔ سو اللہ نے واضح طور پر اپنی مخلوق کو آگاہ کر دیا تھا کہ اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق کا ذکر کر کے ولایت کے قصے اور کرامتوں کے چرچے کر کے کوئی اللہ کے بندوں اور بندیوں کو لوٹانہ پھرے۔

ایک دوسرا مقصود کہ جس کا اظہار لوگ عام طور پر اس طرح کرتے ہیں..... کہ جی..... ہم ان بزرگوں کو ”الہ“ تھوڑا ہی خیال کرتے ہیں، بس یہ تو اللہ کے ولی اور محبوب ہیں اور ان کے واسطے، ویسے اور قرب کی وجہ سے ہم بلا واس اور مصیبتوں سے محفوظ رہتے ہیں، یہ اللہ کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ جب یہ ہم سے خوش ہو جاتے ہیں تو ان کی خوشنودی کی وجہ سے اللہ بھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے، ہم پر کرم کرتا ہے اور مصائب کو ہم سے دور رکھتا ہے۔ یہی عقیدہ

اور نظریات مشرکین مکہ کے تھے جن کا اظہار وہ دعوت توحید کے مقابلے میں کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آگاہ فرمایا کہ جیسا عقیدہ تمھارا ہے ایسا ہی عقیدہ تم سے قبل ریگستان عرب میں رہنے والی قوم عاد کا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی عقائد کی پاداش میں جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو یہ بزرگ بے چارے ڈھونڈے سے بھی نہ ملتے تھے:

فَلَوْلَا نَصَرُهُمُ الَّذِينَ أَنْجَدْنَا مِنْ دُوَّبِ الْمِنَارِ فَرَبَّا نَا مَعَ الْمَهَدِ بَلْ صَنَعْنَا
عَنْهُمْ وَذِلِّنَا إِنْفَكَهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ (الاسدف: ٢٨)

”پھر کیوں نہ ان بزرگ ہستیوں نے ان کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ”اللہ“ بنا لیا تھا؟ بلکہ وہ تو (اس وقت) ان سے گم ہو گئے اور یہ تھا ان کا جھوٹ اور ان بناؤںی عقائد کا انجام جو انہوں نے گھر رکھے تھے۔“

خود ساختہ الہوں کی ٹھاٹھ بائٹھ اپنے مریدوں کی محتاج ہے:

اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ ہستیوں کا ذکر کیوں فرمایا:

وَأَنْجَدْنَا مِنْ دُوَّبِ الْمِنَارِ إِنَّهُمْ لَعَنْهُمْ يَنْصَبُرُونَ لَمَّا لَأَيْسَتْ طَبَّعُونَ
نَصَرُهُمْ وَظُمِّلُهُمْ حِنْدٌ مُخْسِرُونَ (سین: ٧٢-٧٣)

”اور انہوں نے اللہ کے علاوہ ”اللہ“ بنا رکھے ہیں، اس امید پر کہ وہ ان کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ تو ان کی مدد کرنے کی ہمت ہی نہیں رکھتے بلکہ یہ لوگ تو اٹا ان (بزرگ ہستیوں) کے حاضر باش جتھے بنے ہوئے ہیں۔“

بزرگ ہستیوں اور ان کے ماننے والوں کے درمیان جو خدائی عقیدت کا معمہ اور خول چڑھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس کا کس قدر حقیقت افروز تجویہ پیش کر دیا ہے تاکہ بھولے بھکلے لوگ اس خول سے باہر آ جائیں اور اس بات پر غور و فکر کریں..... کہ

مانے والوں نے مدد کی آس پر ان بزرگ ہستیوں کو اپنا اللہ بنایا تھا مگر وہ اپنے مانے والوں کی مدد تو کیا کریں گے، الثانی کی ولایت اور ان کی عظمت خود مانے والوں کی محتاج ہے کہ وہ بزرگوں کے آستانے پر نیازیں لاتے ہیں، مال نچاہو کرتے ہیں اور بیہاں کے حضرت صاحب جنہیں خلیفہ اور سجادہ نشین کہا جاتا ہے، اسی مال پر پلتے ہیں، محلات میں رہتے ہیں، سیاسی اقتدار حاصل کرتے ہیں اور یہ روحانی پیشوادیا داروں سے کہیں بڑھ کر سیاسی چالیں اور مسروقات کھیل بھی کھیلتے ہیں۔ یہ مرید ان لوگوں کو ان کے ٹھاٹھ بٹھ کے لیے نذر و نیاز کی صورت میں سرمایہ فراہم کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان کی گدیوں اور ان کے درباروں کے گلوں اور خزانوں کو تالے لگا کر ان کی نگہبانی کرتے ہیں..... اگر یہ نذریں نہ مانیں، عرس نہ منائیں، ان کی شہرت اور ولایت کے ڈنکنے بجا میں، تماشے نہ کریں، ان کے مرید نہ بینیں، تو ان کی بزرگی اور ولایت کے سارے سلسلے ٹوٹ کر ختم ہو جائیں..... یعنی یہ اپنی بزرگی کے لیے بندوں کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو بتلا رہے ہیں کہ جو خود محتاج ہے وہ تمہاری مدد کیا کرے گا!! جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بزرگ ہستیوں کی پھر کی تصاویر کو توزٹا تو ان کے مانے اور عقیدت رکھنے والے کہنے لگے:

حَرِفُ دُو نَصْرَوَاءِ الْهَمَّكَ

(الآیت: ٦٨)

”ابراهیم علیہ السلام کو جلا دو اور (اس طرح) اپنی بزرگ ہستیوں ”الہوں“ کی مدد کرو۔“ یعنی جب ”الہ“ پر مشکل وقت آیا تو خود مرید میدان میں آگئے..... قرآن نے ثابت کر دیا کہ اگر یہ مرید اپنی بزرگ ہستیوں کے درباروں اور آستانوں اور وہاں جمع ہونے والی نذر و نیاز کی حفاظت نہ کریں تو یہ درباری اور خانقاہی نظام کے سلسلے کا وجود ہی ختم ہو کر رہ جائے اور جن کا وجود ہی اپنے مانے والوں کا محتاج ہو..... ان کی عبادت کیوں؟ چنانچہ سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر لوگوں کو یوں سمجھایا:

وَسَعَىٰ مِنْ أَنْوَسْلَنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا آجَعَلْنَا مِنْ دُونَ الرَّحْمَنِ عَلَيْهِ

يُعَبَّدُونَ (زخرف: ٤٤)

”میرے نبی (ﷺ)! آپ سے پہلے جتنے بھی رسول ہو گزرے ہیں، ان سے پوچھو..... کیا ہم نے رحمان کے علاوہ کوئی ایسے ”الہ“ (بزرگ) بنائے ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے؟“

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ اللہ نے جتنے بھی رسول دنیا میں بھیجے وہ جو عقائد اور نظریات اپنی اپنی قوموں میں چھوڑ گئے، ان میں دیکھ لو..... تحسیں یہ بات کہیں بھی دھلائی نہیں دے گی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ کسی اور کسی بھی عبادت ہو سکتی ہے۔

عبادت کیا ہے؟

جو شخص جرم کا ارتکاب کرتا ہے وہ بھلا اپنا جرم تسلیم کرتا ہے؟ اور جو مجرم جرم کو جرم ہی نہ سمجھے بلکہ بھلائی سمجھ کر کرے، وہ بھلا اپنے جرم سے کب باز آئے گا، جب تک کہ اسے یہ نہ بتلا دیا جائے کہ اللہ کے بندے جسے تو بھلائی سمجھ کر کر رہا ہے وہ تو جرم ہے جرم چنانچہ مشرکین مکہ کو جب اللہ کے رسول ﷺ کا لاث و منات جیسی بزرگ ہستیوں کی عبادت سے منع کرتے تو وہ کہتے:

مَنْعَبِدُهُمْ إِلَّا يُقْرِبُونَا إِلَى الْمُعَذَّلِيَّنَ

”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر بات یہ ہے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔“

غور فرمائیں..... کہ بزرگوں کی عبادت سے مشرکین مکہ بھی انکار کرتے ہیں اور صرف انکار ہی نہیں کر رہے بلکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ اقرار بھی کر رہے ہیں کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، مگر ان کا یہ اقرار کیسا ہے اور عمل کس طرح کا تھا، ملاحظہ کیجیے:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَرَمَّاَتْتَهُ إِلَى الْمُعَذَّلِيَّنَ

”اللہ تیری جناب میں حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔“ یہاں اللہ کے رسول ﷺ

فرماتے: ”تم پر افسوس ہے، یہیں رک جاؤ۔“ (مگر وہ مشرک اس کے بعد کہتے)
 ”البته وہ شریک جو کہ تیرے ہی ہیں اور جن کا تو ہی مالک ہے اور جس چیز کے یہ
 مالک ہیں، اس کا بھی (اے اللہ!) تو ہی مالک ہے۔“ مشرکین یہ الفاظ کہنے کا
 طواف کرتے ہوئے کہتے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب التلبیة و صفتہا و وقتہا: ۱۱۸۵)

اب جس جگہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ..... اس کے بعد انہوں نے جو کچھ
 کہا..... اسی کا نام شرک ہے، یہی غیر اللہ کی عبادت ہے اور جو ایسا کرتا یا کہتا ہے وہ چاہے
 زبان سے لاکھ کہنے کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، یہ کہنے کا
 اسے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ وہ بزرگ ہستیوں (اللہ) کے لیے ان
 عقائد اور نظریات کا انکار نہ کرے جو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہیں۔ وہ کیا ہیں؟
 یہ ملاحظہ کرنے سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے فرمان الہی سن لیجیے:
 ”میں شرک سے متعلق تمام شریکوں سے بے پروا ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا
 کہ اس عمل میں میرے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیا تو میں اس شریک کرنے
 والے شخص اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں اور میں ایسے آدمی سے بے زار
 ہوں۔“

(صحیح مسلم، کتاب الزهد باب تحریم الربیا: ۲۹۸۵)

بدنی عبادت اللہ کے لیے ہے:

سب سے بڑی عبادت جسے ہم روزانہ پانچ وقت ادا کرتے ہیں، وہ نماز ہے..... تکبیر
 تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد نماز کی سب سے پہلی حالت قیام ہے، جس میں سورہ فاتحہ
 پڑھنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز جیسی عبادت اللہ کے ہاں قبول ہی نہیں۔ اس سوت
 میں ہم دن میں کئی دفعہ اقرار کرتے ہیں:

إِنَّا لَنَعْبُدُ لَهُ إِنَّا لَنَسْتَعِينُ لَهُ
 (النَّسْخَة: ۱۶)

”ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور مجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“
 اب دیکھیے! اللہ ہی سے مدد مانگنا عبادت کا ایک حصہ ہے، مگر اللہ نے عبادت کا ذکر
 کرنے کے بعد عبادت کے اس حصے (مدد مانگنے) کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ میرا بندہ
 مجھی سے وابستہ رہے، مجھی سے چمٹا رہے، میرا دامن چھوڑ کر اپنی مشکلات کے حل اور اپنے
 مقاصد کے حصول کے لیے غیروں کی طرف نہ بھلے..... اور مدد مانگنے کا بطور خاص اس لیے
 بھی ذکر فرمایا کہ انسان جب بھی گمراہ ہوتا ہے، شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یہیں سے کرتا ہے
 کہ بیماری آنے پر، کوئی مصیبت آنے پر، جلد بازی کا مظاہرہ کر کے، محض کسی کے کہنے پر
 غیر اللہ کی چوکھت پر جا گرتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے عبادت کا عام ذکر کرنے کے بعد عبادت کے
 ایک حصے ”مدد مانگنے“ کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ میرا بندہ کہیں بھکلنے نہ پائے۔

نماز میں قیام کے بعد دو اہم حالتیں رکوع اور سجدے کی حالتیں ہیں۔ رکوع میں مالک کے حضور کمر جھکتی ہے اور سجدے میں ناک اور پیشانی خاک آلود ہوتیں ہیں۔ چنانچہ طواف کے بعد ان تینوں حالتوں کا اللہ نے بطور خاص ذکر فرماتے ہوئے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تاکید کیے:

وَإِذْ يَوْمًا لِإِبْرَهِيمَ مَكَّةَ الْبَيْتَ أَنَّ لَا شَرِيفٌ فِي شَيْءٍ
وَطَهَرَ بَيْتَ الْمَطَافِيفَ وَالْقَاعِدَيْنَ وَأَرْكَعَ الشُّجُودَ (٢٦)

”اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ہٹھہ رانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام رکوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے باک رکھنا۔“

یہ چار حالتیں جو عجز و اعسار کی انتہائی حالتیں ہیں اور جس ترتیب سے اللہ نے ان کا ذکر فرمایا ہے، اسی ترتیب کے مطابق ایک سے بڑھ کر دوسرا حالت عاجزی اور اعساری کا اظہار کرتی ہے۔ پہلی حالتیں صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہیں.....اگر کوئی انسان یہ حالتیں کسی اور کے

سامنے بجالائے گا تو وہ اللہ کے ساتھ شرک جیسے ناپاک گناہ کا ارتکاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ﷺ کو واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ بیت اللہ (مرکز توحید) کو ایسی آلوگیوں سے ان لوگوں (موحدین) کے لیے پاک صاف رکھیے جو یہ حالتیں صرف اللہ ہی کے لیے بجا لائیں۔

اب غور فرمائیے یہ جو قبروں اور قبوں کے طواف اور پھرے ہیں، قبروں میں فن بزرگوں کے مزاروں اور ان کے گدی نشینوں کے سامنے لوگ ہاتھ باندھ کھڑے ہوتے ہیں۔ سنگ مرمر سے آراستہ قبروں اور ان کے گدی نشینوں کو دیکھتے ہی رکوع کی حالت میں جھک جاتے ہیں اور بعد میں سجدہ ریزی کا ارتکاب تک کر گزرتے ہیں تو بتلائی یہ ان کی عبادت نہیں کرتے تو اور کیا کرتے ہیں؟ اور اگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ لوگ متواتر تر لگاتے چلے جائیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تو پھر آخر عبادت کس شے کا نام ہے؟ بہر حال قرآن کے ہاں یہی عبادت ہے جسے یہ لوگ غیروں کے لیے بجالاتے ہیں۔

ذکرو و دعا اور فریاد و نعرے سب زبانی عبادتیں ہیں:

نماز کے آخر میں نمازی تشهد کے لیے بیٹھتا ہے اور بیٹھتے ہی تین جملے اپنی زبان سے یوں دھراتا ہے:

«الْتَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّبَيَّاتُ»

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب التشهد فی الآخرہ: ۸۳۱)

”سب زبانی، بدنبی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

نمازی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ زبانی عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں اب زبان کی عبادت بھی ہے کہ اللہ کو ”الا“ مان کر اسی سے مدد کی درخواست کی جائے، دعا کی جائے، پکار کی جائے، فریاد کی جائے، مانگا جائے اور اس کی حمد و شنا کی جائے۔ یہ سب زبان کی عبادتیں ہیں اور جس رب کے لیے یہ عبادتیں بجالائی جائیں وہی ”الا“ ہوتا ہے۔ جیسا کہ

صحاب کھف نے کہا:

فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ الْشَّمْوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْ نَدْعُوكُمْ مِنْ دُونِهِ إِنَّا لَهُمْ لَنَذَّلْ

فُلَّا إِذَا شَطَطْتُمْ ﴿٦٤﴾ (الکھد: ٦٤)

”انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ہم اس کے علاوہ کسی کو اللہ (سبحانہ کر) ہرگز نہیں پکاریں گے، اگر ہم نے ایسا کہا تو بڑی کفر کی بات کہیں گے۔“

صحاب کھف اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارا رب وہی ہے جو ساری کائنات کا رب ہے اور ہم ”اللہ“ مان کر اسی رب کو پکاریں گے، اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں پکاریں گے۔ جیسا کہ مشکلات میں گھر جانے پر اللہ کے پیغمبر جناب لوط علیہ السلام نے مدد کے لیے اللہ ہی کو پکارا:

رَبِّيْبَ اَنْصُرْتِيْ فِيْ عَلَى الْفَوْهِ الْمُفْسِدِيْتِ ﴿٣٠﴾ (المعنکیوت: ٣٠)

”میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرم۔“

”یا علی مدد“ پکارنے والے غور فرمائیں کہ حضرت لوط علیہ السلام مدد کے لیے کس کو پکار رہے ہیں؟ قرآن ان کی زبان سے ہمیں یہ درس دے رہا ہے کہ ”یا علی مدد“ کے بجائے ”یا رب مدد“ پکارو!..... ”یا علی“ کے نفرے لگانے کی بجائے ”یا اللہ“ کے نفرے لگاؤ۔ کیونکہ نفرے کا مطلب اور مقصد مدد کے لیے ندا اور پکار ہے اور پکار صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جیسا کہ مالک الملک نے خود فرمایا:

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِنَّهُمْ لَا يَبْرُهُنَ لَمَّا يَدْعُهُمْ فَيَقُولُونَ إِنَّمَا يَحْسَبُونَ مِنْ رَبِّهِمْ

إِنَّمَا لَا يَفْلِحُ الْكُفَّارُونَ ﴿٦٧﴾ (الذمیون: ٦٧)

”اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ بنا کر پکارتا ہے کہ جب ایسا کرنے کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ یاد رکھو! کافر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔“

اب لا حالہ دلیل تو اللہ کی بات ہی بنے گی اور اللہ کی بات قرآن ہے اور وہ بار بار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے ”اللہ“ کی تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ کسی دلیل کی عدم موجودگی میں جو شخص اللہ کے ساتھ دوسروں کو ”اللہ“ بنا کر پکارے جا رہا ہے، اللہ اسے کفار کے زمرے میں شامل کر کے اسے یہ عبید بھی سنار ہے ہیں کہ تیرے اس طرز عمل کا حساب اللہ کے پاس موجود ہے اور اس کی جوابد ہی تھے بہر حال کرنی ہے۔

اب فکر انگیز بات یہ ہے کہ مدد کے لیے ”یا رسول اللہ“ پکارنا، ”یا علی مدد“ پکارنا، شیخ عبدالقادر جیلانی کو ”یا غوث العظیم“ کہہ کر پکارنا اور اس قسم کے دیگر نعرے لگانا، کیا اللہ کے ساتھ دوسروں کو پکارنا نہیں؟ کیا یہ زبان کی عبادت نہیں ہے؟ یقیناً یہ زبان کی عبادت ہے۔
الله العالمین کا فرمان ملاحظہ کیجیے:

وَقَالَ رَبُّهُمْ أَدْعُوْنِي أَسْتَحِيْلُكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

عِبَادَتِيْ سَيِّدَ الْحُلُوْنَ جَهَنَّمَ وَآخِرَيْنَ (سیورس: ۶۰)

”(لوگو!) تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھی کو پکارو، میں تمہاری فریاد سنوں گا، بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جلد جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“

اسی سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان بھی دیکھیے:

«الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»

(ترمذی، تفسیر القرآن، سورۃ البقرۃ: ۲۹۶۹)

”پکارتی تو عبادت ہے۔“

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرماں پکار کر کہہ رہے ہیں کہ زبان سے پکارنا زبان کی عبادت ہے۔ یہ وظیفے کرنا، یہ نعرے لگانا، یہ دعائیں، ندائیں اور یہ اتھائیں سب زبان کی عبادت ہیں اور عبادت صرف اللہ کے لیے ہے، کسی غیر کے لیے نہیں، چاہے وہ پیغمبر ہو، صحابی

ہو، ولی ہو یا کوئی اور ہو یہ سب اللہ کے غیر ہیں، ان میں کوئی بھی اللہ کی الوہیت میں شامل نہیں اور غیروں کو اللہ کے ساتھ شامل کر کے پکارنے کا نام ہی تو عبادت ہے۔

نذر و نیاز اور صدقہ بھی مالی عبادات ہیں:

نذر و نیاز اور صدقہ و خیرات سب مالی عبادتیں ہیں اور مال کی عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

مالی عبادت کے بارے یہ بنیادی بات سمجھنے کی ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس میں جو کچھ ہے یہ سب اللہ کا مال ہے:

اللَّهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (١٦)

”اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔“

چنانچہ جب اللہ ہی سارے مال کا پیدا کرنے والا ہے تو خرچ کیا جائے تو اسی کے نام پر خرچ کیا جائے، دیا جائے تو اسی کے نام کا دیا جائے یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا کے تمام بزرگ اور ولی اکٹھے ہو جائیں تو خشناش کا ایک دانہ یا گھاس کا ایک تنک پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ اپنی بھوک کی حاجت کو مٹانے کے لیے خود انہ کے محتاج ہیں۔ تو بھر بڑی بڑی نیازیں ان کے نام کی کیوں دی جائیں؟ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَنْهَا مِنْ دُونِهِ مَا لِهُ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ بَلَّهُوْنَ وَلَا يَعْلَمُونَ لَا يَعْلَمُونَ لَا يَنْفِعُهُمْ ضَرًا وَلَا يَفْعَلُونَ لَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا شُورًا (النور: ٣)

”ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے الہ بنارکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں اور یہ تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں اور نہ موت و حیات اور نہ دوبارہ جی اٹھنے ہی کا اختیار رکھتے ہیں۔“

یعنی یہ بے چارے کوئی شے کیا بنا سکیں گے، یہ تو خود بنے ہوئے ہیں اور جو خود بنا ہوا ہو وہ کچھ بنا نہیں سکتا۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے اللہ نے ہمیں مزید خبر دی کہ کوئی شے پیدا کرنا تو درکنار یہ تو اپنی ذات کے مالک بھی نہیں اور اپنی ذات سے باہر ان کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ یہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِنَّ رَبَّكَ مَدْعُوكَ مِنْ دُوْنِهِ مَا يَمْلِكُ كُوْكَبَ مِنْ قِصْمِيْرِ
(فاطر: ۱۳)

”اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے پھر ہے ہو، وہ تو کھجور کی گنھلی کے (اندر موجود بالکل باریک سے) حچلکے کی ملکیت بھی نہیں رکھتے۔“

آپ ذرا غور کریں..... اللہ نے یہاں پوری کھجور کا ذکر نہیں فرمایا۔ کیوں.....؟ اس لیے کہ اس کا گودا جسم کی نشوونما کرتا ہے، گنھلی کا نام بھی نہیں لیا کیونکہ اسے اگر زمین میں دبادیا جائے تو کھجور کا درخت آگ آتا ہے..... ذکر فرمایا تو گنھلی کے اوپر لپٹی ہوئی باریک جھلکی کا کہ جو انسان کے کسی کام نہیں آتی اور جس کی حیثیت کسی شمار میں نہیں۔ تو ایسی شے کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ بے چارے ”ال“ تو اس ناکارہ سی شے کے مالک بھی نہیں۔ تو جب یہ نہ کوئی چیز بنانے والے ہیں، نہ کسی شے کے حقیقی مالک ہیں کہ کسی کو اپنی ملکیت میں سے کچھ دے سکیں تو پھر اللہ کی بنائی ہوئی شے، اللہ کی دی ہوئی چیزان کے نام کے ساتھ منسوب کیوں کی جائے؟ ان کے نام پر مشہور کیوں کی جائے، اللہ کے نام کے ساتھ ان کا نام شامل کیوں کیا جائے؟ صدقہ و خیرات دیتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ ان کے نام کو شریک کیوں کیا جائے؟..... کسی جانور یا کھیر پر اللہ کے نام کے ساتھ ان کا نام شامل کرنا، مشہور کرنا اور شریک کرنے کا نام ہی تو شرک ہے..... اور یہی ناشکری اور نمک حرامی ہے کہ بنانے اور دینے والا صرف اللہ..... اور نام چلتا پھرے بزرگوں کا..... آخر یہ ظلم کیوں؟

آج ہمارے معاشرے میں ”بابا گایاں والا“ کے نام پر بے شمار گایوں کی ٹولیاں لوگوں کی فصلیں اجائزی پھرتی ہیں..... مگر لوگ انھیں کچھ کہنے سے ڈرتے ہیں کہ بابا ناراض ہو جائے

گا۔ یہ بستیوں میں آتی ہیں تو عورتیں انھیں روٹیاں کھلاتی ہیں، ان کے گلے میں بندھی ہوئی ٹاکیوں میں نوٹ اور سکے باندھ دیتی ہیں، یہ یقین کر کے کہ اب ان کی کئی امیدیں برآئیں گی اور حاجتیں پوری ہوں گی۔ یہی کام عرب کے مشرک کیا کرتے تھے، وہ بھی اپنی اونٹیوں اور سکریوں کو ایسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ان کے اس شرکیہ طرز عمل کو اللہ نے یوں بیان کیا ہے:

تَاجَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا تَبَعَّدَ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامِلٍ وَلَكِنْ أَلَيْنَ

كُفَّارُوْا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ وَأَكْرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (آل عمران: ۱۰۲)

”اللہ نے نہ کوئی بھیہ بنایا ہے نہ سائبہ، نہ وصلیہ اور نہ حام مگر یہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثریت بے عقولوں کی ہے۔“

دیکھیے! قرآن ان شرکیہ نظریات کی پر زور انداز سے تردید کر رہا ہے کہ یہ عقائد اور خیالات ان لوگوں کے اپنے ہیں اور یہ جو انھوں نے اللہ اور بزرگوں کے نام پر یہ جانور چھوڑ رکھے ہیں تو اللہ کا ایسی ملادوں مالی عبادات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نذر و نیاز اور ایصال ثواب کی رسومات میں شرک کی آمیزش:

قرآن کی یہ راہ نمائی آج کے لوگوں کو بھی یہ سبق دے رہی ہے کہ یہ پیر عبدالقدار جیلانی کے نام کی گیارہویں جو تم نے مشہور کر رکھی ہے، یہ طرز عمل تمھارا اپنا گھر رہا ہوا ہے۔ یہ گیارہویں اور یہ جناب جعفر صادق کے کوئی نہیں بنائے، یہ اللہ کا نام لے کر تم اللہ پر جھوٹ بولتے ہو۔

چاول اللہ کے پیدا کردہ ہیں، دودھ اللہ کا تیار کردہ مشروب ہے اور تم اسے اپنے ”اللہ“ بزرگوں کے نام پر مشہور کر کے ساتھ اللہ کا نام لے کر خود اپنے آپ کو اور اس شرکیہ طرز عمل سے روکنے والوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہو۔ جب تم سے کوئی جواب بن نہیں پاتا تو کہتے ہو کہ تم ان بزرگوں کے ”ایصال ثواب“ کے لیے یہ خیرات دیتے ہیں۔ یہ ایصال ثواب تو گنہگاروں کے لیے ہے اور تم ان بزرگوں کو بھلا گنہگار کب سمجھتے ہو، تم تو انھیں گناہوں سے

پاک اور انھیں اپنا داتا اور غوث سمجھتے ہو۔ تم تو ان سے کچھ لینے کی نیت سے انھیں دینے ہو، ان کو راضی کرنے کے لیے ان کے نام کا پکاتے ہو۔ یاد رکھو! تو حید کا وعظ کرنے والے اپنے محسنوں کو تم ایسی ذمہ دینے کے مغلطے میں ڈال سکتے ہو مگر تم اللہ کو دھوکا اور مغالطہ نہیں دے سکتے اور مشرکین مکہ کے طور طریقوں سے آنھیں نہیں چرا سکتے جو تمہارے طریقے عمل سے ملتا جلتا ہے۔

جناب جعفر صادق کے کوئندوں کا حلوہ جس سوچی سے بناتے ہو وہ سوچی گندم ہی سے نہیں ہے، وہ گندم کہ جس کا ایک دانہ زمین میں بویا گیا، سورج کی کرنیں سمندر کے پانیوں پر پڑیں، یہ پانی بھاپ بن کر آسمان کی طرف اٹھا، وہاں بدليوں میں تبدلیں ہوا، پھر مالک کے حکم سے ہوا میں ان بدليوں کو اٹھا کر زمین پر پھیلانے لگیں۔ پھر یہ پانی بارش بن کر برسا، زمین نے اس کو پیا، ادھر ہوا زمین کے مساموں میں داخل ہوئی اور احسن الخلقین کے حکم سے نہیں سی کوپیل گھٹلی اور دانے کا سینہ پھاڑ کر اور زمین کو چیر کر باہر نکل آئی۔ دوستو! سوچو تو ہی! نہیں سی کوپیل میں بھلا اتنی قوت کہاں ہے؟ یہ تو قادر مطلق کی قدرت کا کرشمہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ فَالِّيُّ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْكَوْنُ (٤٥)

”بے شک اللہ ہی دانے اور گھٹلی کا پھاڑنے والا ہے۔“

از اس بعد پانی کی برودت، ہوا کی سرسری ہے، چاند کی ٹھنڈک اور آفتاب کی تمازت اللہ کے حکم سے اس کی نشوونما میں اپنا فریضہ ادا کرتی ہوئی اسے اس مقام تک لے آئی کہ ایک دانے سے سات سو دانے بن چکے تھے، مگر بنانے والا کون تھا؟ ملاحظہ فرمائیے:

مَيْلَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْهَالَهُمْ فِي مَسِيَّلِ اللَّهِ كَمْلَ حَمَّةُ أَنْبَتَ

سَبْعَ مَسَالَاتٍ فِي كُلِّ سَبْلَةٍ مَا تَهُدِيَ اللَّهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ لِمَنْ يَتَّهِدُ وَأَنَّهُ

وَسِعٌ عَلَيْهِ (٣٦)

”جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی سی

ہے جس سے سات بالیاں (سے) نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، جانے والا ہے۔“
کس قدر ناشکری، ناقدری اور نمک حرامی ہے کہ انہی دانوں سے سوچی بنی، سوچی سے حلوہ تیار ہوا، انہی دانوں کے میدے کی پوڑی بنی، مگر یہ پوڑی اور حلوہ کس کے نام پر مشہور ہوا؟ یہ جناب جعفر صادق کے کوٹدوں کے نام سے معروف ہوا۔ (العیاذ باللہ!)
اللہ والوں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے، اس آیت نے اس سے بھی آگاہ کیا کہ اللہ کے بندے اللہ کا دیا اللہ کے راستے میں ہی خرچ کرتے ہیں اور مالی عبادت اللہ کے نام پر ہی بجالاتے ہیں۔

اللہ کا راستہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کے نام کو شامل و شریک نہیں کرتے اور وہ ایسا کریں بھی کیسے کہ بچلوں اور اناج کے اگنے اور نشوونما پانے کے سارے منصوبے میں اللہ کے ساتھ شامل و شریک ہے ہی کوئی نہیں۔

اسی طرح اللہ کی بندیاں نذر مانی ہیں تو وہ بھی اللہ کے لیے، جیسا کہ حضرت مریم عليها السلام کی والدہ نے اس طرح نذر مانی:

رَبِّ إِلَيْنِي نَذَرْتُ لِلَّهِ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّمٌ فَتَفَقَّلَ مِنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْعَمَيْمُ

(آل عمران: ۳۵)

الْعَلِمُ

”میرے رب! میں اس بچ کو جو میرے پیٹ میں ہے، تیری نذر کرتی ہوں، وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہو گا، میری اس پیشکش کو قبول فرم، تو سننے اور جانے والا ہے۔“

غرض مال جیسا بھی ہو، وہ حیوانات میں سے ہو یا باتات میں سے، جمادات میں سے ہو یا معدنیات میں سے، وہ اللہ کا پیدا کردہ ہے، اس پر اللہ ہی کی حقیقی ملکیت ہے۔ وہ صدقہ کی صورت خرچ کیا جائے یا خیرات کی شکل میں، وہ زکوٰۃ کی صورت میں ادا کیا جائے یا نیاز کی

صورت میں دیا جائے، قربانی کی صورت میں دیا جائے یا نذر مانے اور اسے پوری کرنے کی ہیئت میں پیش کیا جائے، یہ سب قسمیں اور صورتیں اللہ کے راستے میں مال پیش کرنے کی صورتیں ہیں۔ اب چونکہ مالی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، لہذا مال خرچ کرنے کی یہ تمام اشکال اور اقسام بھی اللہ ہی کے لیے خاص ہیں۔

ایک قابل غور نکتہ بھی ذہن سے مخونہ ہونے پائے، وہ یہ ہے کہ اسلام کے پانچ اركان میں سے دوسرا رکن ”نماز“ اور تیسرا ”زکوٰۃ“ ہے۔ اسی طرح ”تَشہد“ یعنی ”التحیات“ میں بھی بدنبال عبادتوں کے ذکر کے بعد مالی عبادتوں کا مذکورہ ہے۔ تو یہ مالی عبادت جسے ”زکوٰۃ“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم اللہ کے راستے میں مقررہ نصاب کے مطابق مال کا خرچ کرنا ہے، مگر اس کا اصل معنی پاکیزگی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مالی عبادت سرانجام دینے سے پورا مال پاک ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ”الطیبات“ کا معنی کسی شے کا عمدہ اور نفیس ہونا ہے، مگر اس کا اصطلاحی معنی ”مالی عبادتیں“ ہے یعنی اگر مالی عبادت سرانجام دی جائے تو سارا مال عمدہ، نفیس اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ مگر توجہ سمجھیے! اگر مالی عبادت میں کسی غیر کو شامل کر کے شرک کا ارتکاب کیا جائے تو کیا مال پاکیزہ، عمدہ اور نفیس رہ سکتا ہے؟ بالکل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شرک کی نجاست سے پہلے سے بھی زیادہ ناپاک ہو جائے گا۔

قرآن میں ”اللہ“ کے معانی داتا، دستگیر، غوث الاعظم، بھی ہیں:

ہماری اب تک کی گفتگو سے دو باتیں سامنے آئیں، ایک یہ کہ عبادت جس کی بھی بجالائی جائے قرآن نے اس کا ذکر ”اللہ“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت کی، یہ دونوں ان کے ”اللہ“ ٹھہرے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے ولیوں کی عبادت کی تو وہ ان کے ”اللہ“ ٹھہرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم کے لوگوں نے لکڑی یا پتھر کی تصاویر ”اصنام“ کی عبادت کی تو وہ ان کے ”اللہ“ ٹھہرے۔ دوسرے بات یہ سامنے آئی کہ زبان، جسم اور مال سے اللہ کی عبادت بجالائی جاتی

ہے اور ان عبادتوں میں سے جو عبادت بھی کسی پیغمبر، ولی یا بزرگ کے لیے کوئی شخص بھی سرانجام دیتا ہے، وہ درحقیقت اسے ”اللہ“ کے درجے پر فائز سمجھ رہا ہوتا ہے۔

ہم نے جو قرآنی آیات پیش کی ہیں ان سے پوری طرح یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مختلف زمانے کے گمراہ لوگ اپنے اپنے بزرگوں کو مشکل کشا، حاجت روا، داتا و دشیر اور غوث الاعظم خیال کرتے تھے، جبکہ اللہ نے ان کے ان تمام خیالات و اوهام کا رد کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں ایک ضروری وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی کہے دشیر (بمعنی ہاتھ پکڑنے والا) وغیرہ کے الفاظ تو بندوں کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر اگر کوئی تیراک کسی ڈوبتے کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنارے پر لے آئے تو اسے دشیر کہنے میں کیا حرج ہے؟ تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ دنیا اسباب کی دنیا بنائی ہے۔ ایک شخص تیراک کے سبب سے کسی کو کنارے پر لے آیا تو اس تیراک کی کوئی بھی پوجا شروع نہیں کر دیتا اور نہ کوئی اس کی عبادت ہی کرتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ یہ دنیا کا نظام اللہ نے اسباب کے تحت بنایا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسباب کی عدم موجودگی میں ڈوبتے ہوئے کسی فوت شدہ بزرگ یا ہزاروں سینتھروں کلومیٹر پر بیٹھے ہوئے کسی زندہ بزرگ کو اپنی مدد کے لیے پکارنا شروع کر دے اور اپنی دشیری کا واویلا کرے تو اسی کا نام شرک ہے۔ کیونکہ اس نے مغلوق کو اسباب سے بلند و بالا ہستی ”اللہ“ سمجھ کر پکارا۔ چنانچہ آج ہمارے معاشرے کے لوگ جن بزرگوں کو گنج بخش اور داتا و دشیر وغیرہ کے ناموں سے یاد کر کے ان سے اپنی ضروریات اور حاجات کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، بغیر اسباب کے انھیں مافوق الاسباب ہستیاں سمجھ کر ان کو پکارے جا رہے ہیں، تو اسی عمل کا نام ”اللہ“ بنانا ہے اور اسی چیز کو قرآن نے شرک کہا ہے۔

چنانچہ آئیے! اس ضمن میں ہم اللہ کی آخری کتاب، حق و باطل میں فرق کر دینے والے فرقان حمید سے مزید راہ نمائی حاصل کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ داتا و دشیر، غوث، گنج بخش

اور مشکل کشا کون سی ہستی ہے؟

اللہ ہی مشکل کشا ہے:

قارئین کرام! یاد کجیے! وہ لمحات کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام سمندر میں گھر مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو ان مشکل لمحات میں انھوں نے اپنے ”اللہ“ کو پکارا:

فَنَادَهُ فِي الظُّلْمِ مُكْبَتَ أَنْ لَمْ يَأْلِمَ إِلَّا أَنْ شَيَّخَنَّكَ إِنِّي مُكْثُثٌ

بِنَ الظُّلْمِيْمِكَ (النیام: ۸۴)

”پھر وہ اندھیروں میں پکارا ہوا کہ تیرے سوا کوئی ”اللہ“ نہیں، تو پاک ہے، میں ہی قصورواروں میں سے تھا۔“

ویکھیے! یہاں ”اللہ“ کا لفظ مشکل کشا کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اور یوسف علیہ السلام کی پکار واضح ہے کہ اے اللہ! یہاں تیرے سوا کوئی میرا ”اللہ“ (مشکل کشا کرنے والا) نہیں ہے۔ اس آیت نے لالہ اللہ کے اقرار کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ اللہ کے علاوہ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مشکل کشا نہ سمجھا جائے۔

اللہ ہی بُكْریٰ بنانے والا ہے:

مشرکین مکہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے ہر کام کو بگاڑنے کی کوششوں میں مصروف تھے تو اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی یوں راہنمائی فرمائی:

رَبُّ الْمَسْرِقَاتِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّحْجَدْهُ رَبِّكَيْهُ (الزمر: ۶)

”مشرق و مغرب کا رب کہ جس کے علاوہ کوئی ”اللہ“ نہیں ہے بس تو (اے میرے رسول!) اسی کو اپنا کار ساز بنالے۔“

بُكْریٰ کاموں کو درست کرنے کا کام جس کے حوالے کر دیا جائے اسے عربی میں وکیل کہتے ہیں۔ اس کا معنی کار ساز یعنی کام بنانے والا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بُكْریٰ کاموں کو

سنوار نے والا بھی ہے اور جو بگڑی بنادے اسے قرآن "اللہ" کہہ کر خبردار کر رہا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کا مطلب ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بگڑی بنانے والا، کام سنوار نے والا خیال نہ کیا جائے اور یہ کہ جو مالک اپنے بندوں کے بگڑے کام سنوار نے والا "اللہ" ہے، وہی مشرق و مغرب کا رب (پالنے والا) ہے۔ لہذا اپنے اسی رب کے ہو کر رہ جاؤ، یا رب! یا رب! کہہ کر اپنے کام اپنے پالنے والے رب تعالیٰ ہی کے سپرد کر کے اسی ایک ہی کو "اللہ" مانو۔

اللہ ہی غوث الاعظم ہے:

جس سے فریاد کی جائے اسے غوث (فریاد رس) کہا جاتا ہے اور جو سب سے بڑا فریاد رس ہو، اسے غوث الاعظم کہا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غوث سمجھ کر جس سے فریاد کی جائے وہی رب ہوتا ہے اور رب ایک ہی ہے، دونہیں ہیں کہ اس ایک رب کے علاوہ کسی اور کو غوث کہتے پھریں۔

اب آئیے..... ذرا ملاحظہ کیجیے کہ ہمارے آخری رسول محمد ﷺ غوث الاعظم سمجھ کر جنگ بدر کے مشکل حالات میں استغاثہ (فریاد) کس سے کر رہے ہیں؟ سینے!

فرما رہے ہیں:

إِذْ تَسْتَغْيِثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجِابَ لَكُمْ أَنِّي مُمْدُّكُمْ بِالْفِتْحِ مِنْ

(الانفال: ٢٩)

الْمُلْكِ كَوْنَرْدَهِيَنْ

"(اے نبی! وہ وقت یاد کرو) جب تم نے اپنے رب کو غوث مان کر فریاد کی تو اس نے تمہاری فریاد سن کر قبول کی اور پے در پے پہنچنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کا وعدہ فرمایا۔"

چنانچہ یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص کسی انسان کو غوث الاعظم کا لقب دے رہا ہے، وہ اسے درحقیقت اپنا "اللہ" مان کر رب بنا رہا ہے اور یہی شرک ہے جس کا ارتکاب شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث الاعظم کہہ کر کیا جا رہا ہے۔ ایسے شرک عظیم سے فوراً اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

اللہ ہی غریب نواز ہے:

غریب الوطن مسافروں اور تھی دامن فقیروں کو نواز نے والا اللہ ہی ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے بزرگوں کو غریب نواز مشہور کر رکھا ہے مگر جناب موسیٰ علیہ السلام جیسے غریب الوطن مسافر کو غربت و فقیری میں نواز نے والا کون ہے؟ اور موسیٰ علیہ السلام کس طرح اپنے رب کو غریب نواز سمجھ کر اس کے حضور فریاد کنائیں، ذرا ملاحظہ تو فرمائیے:

رَبِّ إِنِّي لِعَمَلِنِّي لَمَّا كُنْتَ إِنِّي سَنْخَلِي فَقِيرٌ
(تفصیل: ۲۴)

”میرے رب! اس وقت آپ جس خیر سے بھی مجھے نوازیں، میں اس کا فقیر (محتاج) ہوں۔“

اب دیکھیے! اللہ نے کیسے نوازا، مصر میں فرعونی حکومت سے راہ فرار اختیار کرنے والے مسافر موسیٰ علیہ السلام میں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سامنے میں جا بیٹھے اور جب اپنی غریب الوطنی کا خیال آیا کہ پیچھے ظالم فرعونی حکومت اور آگے کوئی ٹھکانا دھلانی نہیں دیتا تو اللہ سے ہر قسم کی خیر مانگنے کی فریاد کی۔ ادھر اللہ نے یوں نوازا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیغمبر شعیب علیہ السلام کے گھر کا مہمان بنا دیا۔ پھر وہی گھر ان کا ٹھکانا بنا دیا اور پھر اسی معزز گھرانے کا موسیٰ علیہ السلام کو داماد بنا دیا۔ جب میاں یہوی کئی سالوں کے بعد مصر واپس جانے لگے تو راستے میں سفر ہی کی حالت میں طور سینا کے پاس انھیں تاج نبوت سے بھی سرفراز فرمادیا۔ ایسے غریب نواز کو کہتے ہیں رب اور وہی رب ”حقیقی اللہ“ ہے اور وہ تو اپنے سب بندوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

يَأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْفَقْرَاءُ إِلَى اللَّهِ
(افاطر: ۱۵)

”لوگو! تم سب اللہ ہی کے فقیر اور منگتے ہو۔“

اللہ ہی داتا ہے:

اب اگر بندے ہی کسی اور دوارے کے منگتے بن کر انسانوں کو داتا مانتے اور کہتے پھریں تو پھر اس سے بڑھ کر ایسے بندوں کی اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے۔ جبکہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنے قرآن میں جو دعا سکھلائی تو یہ کہ وہ اللہ کو داتا مانیں، کسی اور کو داتا وغیرہ نہ کہہ کر..... اپنے عقیدے کی اصلاح کی توفیق مانگتے رہا کریں۔ قرآنی دعا ملاحظہ کیجیے:

رَبَّنَا لَا تُرْعِنْ عَلَوِيَّا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ

الْوَهَابُ ﴿١٨﴾

”اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ڈانوں ڈول نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرماء، بے شک آپ ہی تو داتا ہیں۔“

ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح اللہ اپنے بندوں کی دعا اور دلی پکار کو قرآن کا حصہ بنارہے ہیں کہ گمراہی (شرک) سے نکل کر کلمہ ہدایت ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے اقرار کے ساتھ کہ بلاشبہ آپ ہی تو داتا ہیں۔ اب وہ لوگ اپنے ایمان کی فکر کریں جو اللہ کے علاوہ یا اللہ کے ساتھ شیخ علی ہجوری یا کسی اور بزرگ کو داتا سمجھتے اور کہتے پھرتے ہیں اور یہ کہ ان کے ایمان اور ان کے دل کس حالت میں ہیں؟

اللہ ہی گنج بخش ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ لَكَ مُلْكُ عِنْدِيٰ خَرَائِنُ الْأَرْضِ ﴿٤٠﴾ (الانعام: ٤٠)

”میرے رسول ﷺ! کہو! میں تمھیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔“

لیکن ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ کہ وہ خزانے میں

تحمیں بخش دوں۔ اب جب اللہ کے رسول ﷺ خزانے بخشنے والے ”گنج بخش“ نہیں ہیں تو غور فرمائیے! علی ہجویری یا ان جیسے دیگر بزرگ کیسے خزانے بخشنے والے ”گنج بخش“ ہو سکتے ہیں؟ لہذا اللہ ہی گنج بخش ہے، بندہ کچھ نہیں ہے۔

اللہ ہی دشیگیر ہے:

انسان دریا یا سمندر میں ڈوب رہا ہو اور کوئی غبی قوت، ما فوق الاصابہ اور مافق الادراک ہستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنارے لگادے تو اسے دشیگیر یعنی پکڑنے والا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کسی سے خوف زدہ ہو، انسان یا جن اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہوں..... وہ مشکلات میں پھنسا ہوا ہو..... کسی مصیبت میں گھرا ہوا ہو..... اس دوران کوئی ہستی اسی کی ایسی دشیگیری کرے، مدد کرتے ہوئے اس کا ایسا ہاتھ پکڑے، اس کو اس انداز سے اپنی پناہ میں لے کر پھر کسی کو بھی اسے نقصان پہنچانے کی جگات نہ ہو اور تمام مشکلات سے وہ محفوظ و مامون ہو جائے، تو ایسی دشیگیری کرنے والا دشیگیر، ایسی پناہ گاہ مہیا کرنے والا شہنشاہ اللہ ہی تو ہے۔ وہ اللہ، وہ ہمارا رب ہمیں آخری پیغمبر ﷺ کی زبانی قرآن کا یہ آخری پیغام دے رہا ہے:

فَلَمَّا آتَاهُمْ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ مَا أَنْهَا مَلَائِكَةُ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ اللَّهَ أَنَّهُ الْمَالِكُ
(انسان: ۳)

”(میرے رسول ﷺ)! کہہ دیجیے کہ میں سب انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، جو سب لوگوں کا بادشاہ ہے، تمام لوگوں کا ”اللہ“ ہے۔ اب ہمارے پیارے رسول ﷺ زندگی گزاریں تو اللہ کی پناہ اور اسی کی دشیگیری میں گزاریں، مگر ان کی محبت کے لب پوٹے دعوے کرنے والے امام الانبیاء ﷺ کے اسوہ کے عکس اپنے جیسے انسانوں کو دشیگیر بناتے پھریں، تو پھر کیا انھیں اس بات پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ آخران کا تعلق کیسا ہے؟ جب کہ اس سورت میں یہ بات واضح ہے

کہ جو لوگوں کا ”اللہ“ ہے بادشاہ ہے، وہی سب لوگوں کا رب اور دشییری کرنے والا ہے۔
یہاں لا اللہ الا اللہ کا مطلب یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ کے علاوہ ہمیں کوئی پناہ دینے والا اور
ہماری دشییری کرنے والا دشییر کوئی نہیں ہے۔

بزرگوں کو القابات کس نے دیے؟

یہ بات قرآن نے واضح کر دی کہ ہم سب کا ”اللہ“ وہی اللہ ہے جو ساری کائنات کا رب
ہے اور داتا، دشییر، گنج بخش، مشکل کشا، حاجت روا، بگڑے کام سنوارنے والا، غریبوں اور
فقیروں کو نواز نے والا اور غوث الاعظم صرف اللہ ہی ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ یہ القابات جو یار لوگوں نے بزرگوں کو دے رکھے ہیں، یہ ان کی
اپنی ایجاد ہے۔ اللہ نے ایسا کوئی لقب کسی انسان کو بالکل نہیں دیا۔ جیسا کہ حضرت یوسف ﷺ
نے اپنی قوم کو اعتماد کرتے ہوئے کہا:

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَشْمَاءَ سَمَاءٍ مُّتَّمِثَّةً أَنْتَمْ وَهُوَ أَبْأُو سَمَاءَ

(یوسف: ۴۰)

ما انزل الله بهما من سلطانٍ إِلَّا أَشْمَاءَ سَمَاءٍ مُّتَّمِثَّةً أَنْتُمْ وَهُوَ أَبْأُو سَمَاءَ

”اللہ کے علاوہ تم جن ہستیوں کی عبادت کر رہے ہو، یہ تو مخفی نام (القابات) ہی
ہیں جنھیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑا ہے، جب کہ اللہ نے ایسی
کوئی سند نا زل نہیں فرمائی۔“

لوگو! سن لو! اللہ نے بزرگوں کے لیے ایسی کوئی دستاویز نہیں اتنا ری جس میں انھیں
غوث، قطب، قلندر، داتا و دشییر وغیرہ کے القابات دیے ہوں۔ یہ تو گمراہ لوگوں کا اپنا
کارنامہ ہے جو لامحالہ سارے کاسارا شرک اور اللہ کی گستاخی پر مبنی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَاتُهُ

اب لالہ الا اللہ کا تقاضا ہے کہ یہ ”الہ“ (بزرگ) جنہیں لوگوں نے خدائی القابات دے کر اور ان سے اللہ کی الوہیت والے عقائد اور نظریات وابستہ کر لیے ہیں، ان سے توبہ کی جائے اور انھیں ”الہ“ یعنی داتا و دشیگر اور غوث الاعظم وغیرہ مانے سے انکا رکردا یا جائے۔ ان بزرگوں کی جس انداز سے بندگی اور عبادت ہو رہی ہے اسے ترک کر دیا جائے اور بزرگوں کے ان درباروں اور آستانوں کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ یہ ہے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا تقاضا اور مطالبه۔ یہی وہ مطالبه ہے جو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا تھا، مگر انہوں نے اس مطالبے کو مانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا:

فَأَلَوَّيْكُمْ هُوُدُّ مَا حِتَّمْتُمَا بِيَقِنَّةٍ وَمَا لَمْ حِنْتُمْ بِكَرِيْكَ بِالْمَهِنَّا عَنْ
قُوَّلَكُمْ وَمَا لَمْ حِنْتُمْ لَكُمْ بِسُوْمَ مِنْتَمْ لَوْلَمْ إِنْ تَنْهُوُ إِلَّا اعْتَرَثَتْ بَعْضُ
عَالْمَجِيْتَ بِإِسْوَعِ قَلْبٍ إِنْ إِشْهَدَ اللَّهُ وَآشْهَدُوا إِنْ إِسْرَئِيلَ بِمَعَانِتَهُ كُونَ

(ہزد: ۵۲)

”انہوں نے کہا:“ اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو نہیں لایا اور ہم اپنے ”الہ“ بزرگوں کو محض تیرے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہم تیری بات ہی مانے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے ولیوں میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑگئی ہے۔“ حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا: ”اچھا میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اس شرک سے جو تم کر رہے ہو، بے زار ہوں۔“

کون ہے جو لالہ الا اللہ کے تقاضوں پر لبیک کہے؟

قارئین کرام! اب لالہ الا اللہ کے قرآنی تقاضے اور مطالبے جو آپ نے ملاحظہ کیے، ان کا آپ کو جواب دینا ہے۔ مگر یاد رہے، خاتم الانبیاء ﷺ کی امت کھلانے والوں کا جواب

اس طرح کا نہیں ہونا چاہیے جس طرح کا جواب ہو دلیل کی امت کے لوگوں نے حضرت ہو دلیل کو دیا تھا اور نہ وہ جواب ہونا چاہیے جو ہمارے پیارے رسول ﷺ کو مشرکین مکنے دیا تھا اور اس جواب کی پاداش میں جب وہ جہنم میں جل رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں ان کا جواب یاد دلاتے ہوئے فرمائیں گے:

إِنَّمَا كَانُوا إِذْ قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَنْهَا كُفَّارُونَ فَيَقُولُونَ إِنَّا

لَنَارِكُوَاءِ الْهَمِيمَ لِإِسْبَاعِ الْمُحْسُونِ (٣٥-٣٦) (الصدقات: ٣٥-٣٦)

”ان لوگوں سے جب کہا جاتا تھا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو اکثر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے ”الہ“ (بزرگوں) کو چھوڑ دیں؟“ یہ لوگ جو لا الہ الا اللہ کا انکار کر رہے ہیں، یہ اللہ کو مانتے تھے، اسے آسمانوں اور زمین کا خالق تسلیم کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کی خبریوں دی ہے:

وَلَيَنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ أَنْتَ

(القسان: ٢٥)

”(میرے رسول ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے: ”اللہ نے۔“

قرآن نے ہمیں یہ بتا دیا کہ مشرکین مکہ اللہ کو مانتے تھے، اسے ہر شے کا خالق تسلیم کرتے تھے مگر وہ اپنے ”الہ“ بزرگوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے جب کہ لا الہ الا اللہ کا تقاضا یہی تھا، اللہ کو ماننے کا صحیح معنوں میں حق تبھی ادا ہوگا کہ انھیں چھوڑا جائے، چنانچہ اس کلمہ توحید کے تقاضوں کو جانے کی وجہ سے انھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ کلمہ محض زبان کا اقرار نہیں بلکہ اس کا اقرار کرتے ہی اپنے کردار سے ان بزرگوں کو چھوڑنا پڑے گا اور اس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والو! لا الہ الا اللہ کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنے کردار سے ان تمام ”الہ“ بزرگوں اور پیروں کو جھیں اللہ کا شریک اور مدمقابل بنادیا گیا ہے، انھیں فوراً چھوڑ دو۔

الوہیت کے اختیارات کا دعویٰ کرنے والے کی سزا:

پیغمبر، فرشتے اور نیک لوگوں کو جنہیں لوگوں نے ”اللہ“ بنا رکھا ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کے حضور اپنے گمراہ عبادت گزاروں سے بے زاری کا اعلان کریں گے اور اللہ کے حضور اپنی صفائی پیش کر کے سرخرو ہو جائیں گے۔ مگر وہ لوگ کہ جنہیں خود ”اللہ“ بننے کا شوق تھا، وہ اپنے درباروں اور آستانوں کی تعمیر و ترقی کا خود آپ بندوبست کر گئے تاکہ انھیں پوچھا جاتا رہے یعنی ان کے مرنے کے بعد ان کی پوچھا پاٹ جاری و ساری رہے۔

اور وہ کہ جوان آستانوں پر گدی نشین بن کر بیٹھے ہیں اور لوگ انھیں اپنا حاجت روا، مشکل کشا اور کرنی والا پیر سمجھے ہوئے ہیں اور پیر صاحبان اپنے مانے والے مریدوں کے ایسے عقائد کی بنا پر خوش ہیں کہ اس طرح وہ ان کی نذر وہ اور نیازوں پر خوب گل چھرے اڑا رہے ہیں اور نسل در نسل ان کا یہ منفعت بخش کار و بار مختلف من گھڑت سسلوں نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ وغیرہ کے ناموں سے جاری ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں چاہے وہ کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَن يَقْتُلْ مِنْهُمْ إِلَّا فِتْنَةً مِنْ دُونِهِ فَذَلِكَ تَحْزِيمٌ لَهُمْ

كَذَلِكَ تَحْزِيمٌ لِلظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ (الاتکان)

”اور ان میں سے جو کوئی یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میں ”اللہ“ ہوں تو ایسے شخص کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔“

یاد رہے خود ”اللہ“ بننے کا اعلان نے عیسائیوں کے پادری کرتے تھے، نہ مکے کے مشرک مگر اس کے باوجود اللہ نے عیسائیوں سے کہا کہ انھوں نے اپنے ان پادریوں، صونیوں وغیرہ کو اپنارب بنالیا تھا۔ دراصل ان کا جو کردار تھا وہ اپنے آپ کو رب بنانے والا تھا اور ان کا جو طرز عمل تھا وہ اپنے آپ کو ”اللہ“ بنانے ہی کا اعلان تھا۔ چنانچہ آج بھی جن لوگوں کا طرز عمل اور کردار ان لوگوں جیسا ہے وہ اپنے آپ کو ”اللہ“ بنانے کا ہی اعلان کر رہے ہیں۔ جب کہ

قرآن حکیم واضح طور پر اللہ کے علاوہ یا اس کے ساتھ کسی کے "الله" بنانے یا خود بننے کی سزا جہنم بتلا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی امت کو ایسے طرز عمل سے خبردار کرتے ہوئے قرآن کے الفاظ میں یوں تلقین فرمائی:

فَهُوَ إِلَى اللَّهِ بِيَنِ الْكُوْمِ مِنْهُ يَدْعُو مُؤْمِنٍ لَّهُمَّ وَلَا تَجْعَلُوْمَعَ الْمُلْكِ إِلَّا لَهُ
أَخْرَى إِلَيْكُمْ فِيْهِ مَا دَرَأْتُمْ (الْمُنْذِرُ: ٥١-٥٢)

"پس بھاگو اللہ کی طرف، بے شک میں تمھیں اللہ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو "الله" مت بناؤ۔ بے شک میں تم لوگوں کو اللہ کی جانب سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔"

لوگو! دشمنی کے لیے، پناہ ڈھونڈنے کے لیے، حاجت روائی کے لیے، حصول اولاد کے لیے، بیماری سے شفایہ طلبی کے لیے اور اپنی دیگر حاجات و ضروریات کے لیے انسانی الیعنی بزرگوں کے درباروں اور آستانوں کی طرف مت بھاگو۔ بھاگنا ہے تو ان مقاصد کے لیے اللہ کی طرف بھاگو، اس کی پناہ میں آؤ اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو، وہ نبی ہو یا ولی، آستانے والا ہو یا خانقاہ والا، اسے اللہ کے ساتھ الیعنی داتا و دشمن اور غوث وغیرہ مت بناؤ، اللہ کے رسول ﷺ تمھیں اس سے ڈرا رہے ہیں، خبردار کر رہے ہیں اور انتباہ کر رہے ہیں۔ اگر تم نے اس انتباہ پر، اس وارنگ پر کانندہ صراحت پھرایسے غافل لوگ قرآن میں اپنی ای انجام دیکھ لیں:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَيْهِ أَخْرَى فِلَقْ فِيْ جَهَنَّمْ فَلَوْمَدَ حَوْرَ الْمُنْذِرِ (الْمُنْذِرُ: ٣٩)

"اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو "الله" مت بناء، و گرنے تو ملامت زدہ ہو کر اور دھنکارا ہوا بن کر جہنم میں جا پڑے گا۔"

حضرات! آخر ایسی کون سی مصیبت ہے کہ ان بزرگوں کو بہر صورت اللہ کے ساتھ "الله" مان کر جہنم میں ذلیل و رسوا ہوا جائے۔ چنانچہ بیانگ دیل یا اعلان کر دینا چاہیے کہ ہم

آسمانوں اور زمین پر اللہ ہی کو اپنا "اللہ" مانتے ہیں۔ زمین پر بھی ہمارا کرنی والا وہی ہے اور آسمان پر موت کے بعد ہمارے کام آئے گا تو وہ اللہ ہی کام آئے گا۔ دونوں جگہ وہ "اللہ" ہے، دنیاوی اور اخروی مشکلات حل کرنے والا وہی ہے۔ دنیا میں ہمارا فریاد رس اور قیامت کے کڑے وقت میں ہماری فریاد کو پہنچنے والا وہی ہمارا غوث العظم ہے۔ زمین پر ہمیں دنیاوی نعمتیں دینے والا اور آسمانوں میں ہمیں جنت کی نعمتوں سے مالا مال کرنے والا ہمارا داتا وہی ہے۔ زمین پر مصائب سے پناہ دینے والا ہمارا وہی دشیر ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاوَاتِ إِلَكَ وَفِي الْأَرْضِ إِلَيْهِ وَهُوَ أَحَدٌ كُمَّ الْعَلِيِّمُ

(الْمُحْمَد: ٨٢)

"اور وہی اللہ جو کہ آسمانوں میں "اللہ" ہے اور زمین پر "اللہ" ہے اور وہی حکمت والا، جانے والا ہے۔"

یہ تھا "اللہ" کا معنی و مفہوم جو ہم نے قرآن کی روشنی میں آپ کے سامنے بیان کیا اور اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ "اللہ" صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اے انسان! اپنے پروردگار کو پہچان:

"اللہ" کی تشریع سے جہاں بناوی "الہوں" کی حقیقت کھل کر سامنے آئی وہاں حقیقی "اللہ" کی قدرتوں اور اس کی صفات سے خوب پتا چل گیا کہ وہ کون ہے۔ تاہم چونکہ "لا اللہ" کے بعد "الا اللہ" پر غور کرتے ہوئے جب ہم نے لفظ "اللہ" کو قرآن میں ڈھونڈا تو ایک محتاط گنتی کے مطابق ستائیں سو انتیں (۲۷۶) مرتبہ خالق کائنات کے اس ذاتی نام "اللہ" کو قرآن کی مختلف آیات میں پایا۔ ان آیات میں سے چند ایک آیات ہم نے منتخب کی ہیں، ملاحظہ کیجیے اور اپنے خالق و مالک رب تعالیٰ کو پہچانیے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْعَلِيُّ (٦٥٥)

"اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی "اللہ" نہیں ہے، وہ از خود زندہ اور تمام

کائنات کو سنجالے ہوئے ہے۔“

اکیسویں پارے میں اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی پہچان اس طرح کرائی:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ رَزَقَكُمْ بِعِيشَةٍ كُمْ شَيْءٍ مُّحِيطٌ كُمْ هَلْ مِنْ
شَرٍّ كَيْفُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ يُبَشِّرُهُ وَيَعْلَمُ عَمَّا

(البر: ٤)

پُشْرِکُونَ

”اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے بنائے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ پاک ہے وہ (اللہ) اور بہت بالا و پرترے ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔“

سورۃ الانعام میں دیکھیے کہ تمھارا رب کون ہے؟

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَزِيزٌ ۝ ذَلِكُمْ أَنَّهُ رَبُّكُمْ لَا
إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَلِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۝ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَزِيزٌ
وَكَلِيلٌ ۝

(الانعام: ١٠٢-١٠٣)

”اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمھارا رب، کوئی ”اللہ“ اس کے سوانحیں ہے، ہر چیز کا خالق ہے، لہذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔“

لوگوں کا اللہ نے تمھیں کس طرح پیدا کیا اور ہر مرحلے پر تمھاری کس کس طرح نگہبانی اور پرورش کو ملحوظ خاطر رکھا، ذرا دیکھو تو سہی اپنے رب اور اپنے مالک کی مہربانیاں:

يَخْلُقُكُمْ فِي بَطْلَوْنِ أَمْهَنِيَّكُمْ حَلَّذَائِنَ بَعْدَ خَلْقِي فِي صَلَمَنَتِ ثَلَثَتِ

ذَلِكُمْ أَنَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَإِنَّ نَصَرَفُونَ ۝

(البر: ٦)

”وَ تَحْسِنُ تَحْمَارِي مَا وَلَكَ پُيُونِ مِنْ تِينَ تِينَ انْدِھِرَے پُر دُولَ کے اندر ایک کے بعد ایک شکل دیتا ہے، یہی اللہ (جو یہ کام کرتا ہے) وہی تمحارا رب ہے، اسی کی باوشاہی ہے، کوئی الہ اس کے سوانحیں ہے، پھر تم کہاں سے پھرے جاتے ہو؟“

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات گنو اک فرماتا ہے کہ یہ ہے تمحارا پور دگار، مگر آخر پھر تھیں اللہ سے ہٹا کر غیروں کے دروازوں کی خاک چھانے پر کون لگاتا ہے؟ یہ کس قدر تجب کی بات ہے کہ اللہ کے احسانات بھلا کر بندوں کے بہکاوے میں آ کر اپنے جیسے انسانوں کے درباروں کی مٹی چاٹتے پھرتے ہو اور حضن رزق وغیرہ کے لیے اپنا ایمان بر باد کرتے پھر رہے ہو۔ حالانکہ جس رب نے تھیں ماں کے پیٹ، رحم اور جھلی کے تین اندھیروں میں رزق فراہم کیا، وہ بھلا اس دنیا میں تھیں رزق سے محروم رکھے گا؟ ذرا آنکھ کھول کر دیکھ تو سہی، اس دنیا کو تیرے پور دگار نے تیرے لیے کس طرح بنایا، سنوارا اور تجھے بھی سنوارا اور تیرے لیے عمدہ رزق کا بھی بندوبست فرمایا:

أَنَّهُ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَابًا وَالسَّمَاءَ يُنَزَّلُ إِلَيْكُمْ
وَصُورَكُمْ فَالْمُحْسَنُ صُورَكُمْ وَرَزْقُكُمْ مِنْ الظِّيَّانِ
ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارُكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٣﴾
(النور: ٦٣)

”وَهُوَ اللَّهُ الَّذِي تَوَهَّبَ لَهُ جِنَّاتٍ زَمِنَ كُو جائے قرار بنایا اور آسمان کو چھت بنادیا اور تمحاری صورتیں بنائیں تو کیسی حسین بنائیں اور تھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ (جس کے یہ احسانات ہیں) وہی اللہ تمحارا رب ہے۔ پس وہ بڑی برکتوں والا ہے، سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔“
لگو! جس کسی نے اس اللہ کو اپنا رب اور ”الہ“ مان لیا اور اپنے معبود حقیقی سے واقف ہو

گیا اس کا مالک کافی ہے، کسی اور کی اسے ضرورت نہیں ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کے بارے میں محبت کے پیرائے میں یوں بیان فرماتا ہے:

بِنَاتِهَا أَنَّىٰ حَدَّبَتِ اللَّهُ وَمِنْ أَتَّبَعَكَ مِنْ أَنْحُوَمِّيَتِ اللَّهِ
(لائف: ٦٢)

”اے میرے نبی! تمہارے لیے اور تمہاری پیروی کرنے والے مومنوں کے لیے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔“
ہاں! وہ اللہ کافی ہے جو:

فَتَعْلَمَ اللَّهُ الْمَوْلَىُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْحَكِيمُ
(آل عمران: ١١٦)

”بہت ہی بلند و بالا ہے، اللہ سچا بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی ”اللہ“ نہیں ہے، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

جنت کی چابی لا اللہ الا اللہ:

بخاری شریف کی روایت کے مطابق لا اللہ الا اللہ کو اللہ کے رسول ﷺ نے کلمہ ایمان کہا ہے۔ تو اس کلمہ ایمان کے جو تقااضے قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں، ان تقاضوں کو جانتے ہوئے جو شخص یہ کلمہ ایمان پڑھ لے اور اس پر اپنی عملی زندگی میں ڈھنڈ جائے تو وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے بشرطیکہ وہ ڈھنڈ جائے، جیسا کہ سفیان بن عبد اللہ رض نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا کریں کہ آپ ﷺ کے بعد میں کسی سے نہ پوچھوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ أَمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ أَسْتَقْرِمُ»

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام: ٣٨)

”کہو میں اللہ پر ایمان لا یا پھر ڈٹ جاؤ۔“
یاد رہے وہی شخص استقامت اختیار کر سکتا ہے جس نے اس کلمہ کو علم اور بصیرت کے ساتھ آنکھیں کھول کر پڑھا ہو۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنۃ
قطعان: ۲۶)

”جو کوئی مرا اس حال میں کہ وہ لا الہ الا اللہ کو جانتا تھا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“

ایسا شخص بھلا جنت میں کیوں داخل نہ ہو گا کہ جس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی خوشخبری موجود ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ اس کے پاس کلمہ ایمان اپنے مکمل تقاضوں کے ساتھ موجود ہو۔ مکمل تقاضوں اور اپنے تمام مطالبات سمیت یہ کلمہ موجود ہو گا تو یقیناً وہ جنت میں داخل ہو جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی من مات لا یشرک بالله شیعا
دخل الجنۃ.....الخ: ۹۴)

”جس بندے نے بھی لا الہ الا اللہ پڑھا پھر اس پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔“

چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق وہب بن منبه سے یہ کہا گیا:

کیا ”لا الہ الا اللہ“ جنت کی چاپیاں نہیں ہیں؟“ تو انھوں نے کہا: ”کیوں نہیں؟ مگر بات یہ ہے کہ کوئی چاپی ایسی نہیں ہوتی جس کے دندانے نہ ہوں اور اگر تو دندانوں والی چاپی کے ساتھ آئے گا تو تیرے لیے (جنت کے دروازے) کھول دیے جائیں گے۔“

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ تعلیقاً)

اب یہ دندانے ”لا الہ الا اللہ“ کے قرآنی تقاضوں کے مطابق شرک سے پاک وہ اعمال ہیں جو اللہ کے فرماں اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔

اے اللہ! تمام مسلمانوں کو لا الہ الا اللہ کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرم۔
(آمین!)



باب نمره ۶

نولکھ ہزاری کے مجاور کی کہانی

(شرک کی دلدل اور سیم وزر کی دنیا میں پھنسے ایک
گدی نشین کی دلچسپ اور حیران کن آپ بیت)

شاہ کوٹ شہر کے مغربی جانب ایک پرانی آبادی ہے۔ یہ آبادی اب شہر کا حصہ بن چکی ہے۔ اس آبادی کو مجاوروں کی بستی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں بابا شاہ نولکھ ہزاری کے نام سے ایک مزار ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ ”انھوں نے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر نولکھ ہزار مرتبہ قرآن پڑھا تھا“، اس دربار کی آمدی کے چوتھائی حصہ کے پتی دار (حصہ دار) عبدالرحمن مجاور کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں) جب اس نے اپنے عقائد اور پاکستان کی مذہبی صورت حال کے باکل بر عکس ایک نیا ماحول دیکھا تو وہ حق کی تحقیق میں لگ گیا۔ پھر رورکراہ ہدایت کے لیے بیت اللہ میں دعائیں مانگنے لگا..... اور جب وہ پاکستان لوٹا تو وہ عبدالرحمن مجاور کی بجائے حاجی عبدالرحمن موحد بن چکا تھا۔ پھر شاہ کوٹ کہ جہاں اہل توحید برائے نام ہی تھے اور وہ قصبه جو بابا شاہ کے نام سے شاہ کوٹ تھا، اس کے پڑوس میں توحید کوٹ کا ڈنکا کیسے بجا؟ اور آج وہاں کیا صورت حال ہے؟ یہ عبدالرحمن موحد کی زبانی سینے۔

نولکھ ہزاری کا مفہوم:

اپنے بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ حضرت ابوالخیر نولکھ ہزاری کو ان کے مرشد نے قرآن کی ایک آیت کا وظیفہ بتالیا اور کہا کہ یہ وظیفہ نولکھ ہزار مرتبہ پڑھنا ہے۔ ہمارے حضرت کو وہ آیت بھول گئی، اب سوچا کیا کیا جائے؟ چنانچہ انھوں نے ایک ناگ پر پانی میں کھڑے ہو کر نولکھ ہزار دفعہ پورا قرآن پڑھ دا!! اور یوں اس کرامت کی بنا پر وہ نولکھ ہزاری کے نام سے معروف ہو گئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے ساری عمر نکاح نہیں کیا اور عورت کا چہرہ تک نہیں دیکھا۔ حضرت کی بزرگی اور پارسائی ظاہر کرنے کے لیے یہ بات ہم لوگ مریدوں کو بتالیا کرتے تھے مگر اب جب قرآن و حدیث کی روشنی سے ہمارا سینہ روشن ہوا تو پتا چلا کہ یہ تو رہبانیت ہے اور ہمارے رسول ﷺ کی تعلیم تو اس کے برعکس ہے۔

جیسا کہ ابو ہریرہ رض بیان کرتے ہیں:

«مَرَّ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَعْبٍ فِيهِ
عُيْنَةٌ مِّنْ مَاءِ عَذْبَةٍ فَأَعْجَبَتْهُ لِطَبِيعَتِهَا فَقَالَ لَوْاعْتَرَكُتُ النَّاسَ فَأَقْمَتُ
فِي هَذِهِ الشَّعْبِ وَلَنْ أَفْعَلَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَدَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تَفْعَلُ
فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدٍ كُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَوَتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِينَ
عَامًا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ؟ أُغْزُوْا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ مِنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ»

(ترمذی، ابواب فضائل الجهاد، باب في الغدوة والروح في سبيل الله: ۱۶۵۰)

”ایک صحابی رسول ایک گھاٹی میں سے گزرے جہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا، انھیں وہ جگہ بہت پسند آئی۔ اس نے دل میں کہا: ”اگر میں لوگوں سے الگ تھلک اس وادی میں ڈیرہ لگا لوں (رہبانیت اختیار کرلوں تو کیا اچھا ہو!) لیکن میں یہ کام

رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیے بغیر نہیں کروں گا۔ تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا اللہ کی راہ میں (جہاد میں) کھڑے ہونا اپنے گھر میں بیٹھ کر سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں بخش دے اور جنت میں داخل کر دے؟ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو، جس نے اُنہیں کا دودھ دو ہے میں جتنا وقت لگتا ہے اتنا وقت اللہ کی راہ میں (قتال) لڑائی کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔“

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ معلوم ہوا اسلام میں رہبانیت قتال فی سبیل اللہ ہے۔

یہ تو عیسائیوں کا طریقہ ہے کہ ان کے ہاں وہ شخص بہت بڑا اولی اور وہ عورت بہت بڑی ولیہ شمار ہوتی ہے جو مجدد زندگی گزاریں جبکہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

«النِّكَاحُ مِنْ سُنْنَتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنْنَتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

(ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح: ۱۸۴۶۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ سلسلة الاحادیث الصحیحہ: ۲۳۸۳)

”نکاح کرنا میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔“

اور ہم ہیں کہ اپنے بزرگ کی نکاح کے بغیر زندگی کو بزرگی ظاہر کر کے گویا ان کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے توڑ رہے ہیں اور انھیں اسلام اور امت سے خارج کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظیم سنتوں کی گستاخی کے مرکب ہو رہے ہیں۔

تعارف:

نولکھ ہزاری کا دربار جس کا کبھی میں مجاور ہوا کرتا تھا، شاہ کوٹ کی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ صاحب مزار کی کرامتوں کے چرچے پورے پنجاب میں مشہور ہیں۔ یہ دربار اس

وقت سے ہے جب یہاں جنگلات ہوا کرتے تھے۔ اسی وقت سے جنگلی قوم کے چار قبیلے اس کی گدی کے وارث چلے آ رہے ہیں۔ وہ چار قبیلے بھٹی، راٹھور، کھوکھر اور طور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پیری مریدی دریائے راوی اور چناب کے درمیان دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

میرا تعلق طور قبیلے سے ہے اور میں دربار پر اپنے قبیلے کا نام نہ مجاور تھا۔ ہم مجاوروں نے اپنے اپنے مریدوں کے علاقے تقسیم کر کر کھے تھے، جہاں سال میں ایک دو دفعہ گشت لگا کہ ہم نیازیں وصول کیا کرتے تھے۔ میرا علاقہ جڑا نوالہ سے لے کر سید والا تک کا تھا۔

ایک دلخراش واقعہ:

ایک دفعہ ہم مریدوں سے سالانہ نیاز وصول کرنے ایک گاؤں میں، اپنے ایک مرید کے پاس پہنچ، مرید نے اپنی ہمت سے بڑھ کر خوب مہمان نوازی کی، نذر و نیاز بھی پیش کی۔ ہمارے ایک ساتھی مجاور نے مرید سے کہا: ”ہمیں یہ چند مینڈھے بھی چاہیں۔“ مرید کی بھیڑ بکریاں بیماری کی وجہ سے اس سال کافی تعداد میں مرچکی تھیں۔ چنانچہ اس نے کچھ پس و پیش کی، ہمارے ساتھی پیر صاحب کو غصہ آگیا۔ وہ رات کے وقت اٹھا اور اپنے مرید کی حوالی میں پہنچ گیا، جہاں بھیڑ بکریاں بندھی ہوئی تھیں، پیر صاحب بڑے طاقتور تھے، انہوں نے دو تین بھیڑوں کو گردن توڑ کر جان سے مار دیا اور واپس آ کر اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ صبح ہوئی، مرید نے اپنی بھیڑیں مری ہوئی دیکھیں تو فوراً آ کر پیر صاحب کے پاؤں پڑ گیا اور کہنے لگا: ”حضرت! مجھ سے غلطی ہو گئی، یہ سارا گھر آپ کا ہے، جو بھی چاہے آپ لے جائیں۔“ چنانچہ پیر کی نیاز کپکی ہو گئی اور مرید کا عقیدہ پیر پر پہلے سے زیادہ پختہ ہو گیا۔

آج بھی یہ واقعہ جب کبھی مجھے یاد آتا ہے تو پیری مریدی کے روپ میں تمام ظلم میری نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور دل خون کے آنسو روتا ہے اور پکار اٹھتا ہے: ”اے اللہ کریم! تیری مخلوق کی اس ظلم سے جان کب چھوٹے گی؟“

سرکار کے حالات زندگی اور چند کرامتیں:

ماسوائے سنی سنائی باتوں اور کہاوتوں کے اس بزرگ کے حالات کا کچھ علم نہیں ہو سکا۔ آج تک کسی مصنف یا مورخ نے ان کے نام تک کا ذکر نہیں کیا۔ زمانے کا بھی کوئی علم نہیں کہ یہ کب پیدا ہوئے، کہاں سے آئے، کون تھے اور ان کا عقیدہ کیا تھا.....؟ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ ہیں ان کی زندگی کے حالات۔

اب آتے ہیں کرامتوں کی طرف، تو پہلے جنگلی وقت میں جب کہ بارہ بارہ میل تک دوران سفر پینے کا پانی دستیاب نہیں ہوتا تھا، نکلوں کا وجود تک نہ تھا، کنوں ہی ہوا کرتے تھے، اس زمانے میں شاہ کوٹ میں بھی کنوں ہی ہوا کرتے تھے۔ یہ مغلیہ دور کا زمانہ تھا۔ شاہ کوٹ کا علاقہ نشیبی تھا، اس لیے بارش کا پانی یہاں سال بھر جمع رہا کرتا تھا۔ چنانچہ لوگ اپنے مولیشیوں سمیت یہاں آ کر کئی کئی ماہ گزار دیتے تھے۔ اس پانی کے بارے میں ہمارے مجاوروں نے ”نولکھ ہزاری ڈنڈا“ کے نام سے ایک کہانی مشہور کر رکھتی ہے۔

نولکھ ہزاری ڈنڈا:

اس پانی پر ایک بڑھمن کا قبضہ تھا، وہ پانی لینے والے سے ایک لکھ وصول کیا کرتا تھا۔ پیر صاحب یہاں آئے تو انھوں نے بڑھمن کو پیسے لینے سے روکا۔ ہندو بڑھمن نے کہا: ”اپنی بزرگی دکھاؤ یا پھر میری بزرگی دیکھو،“ پیر نے کہا: ”پہلے تو دکھا۔“ چنانچہ بڑھمن نے لکڑی کے بنے ہوئے دو جوتوں، جن کو ”کھڑاوں“ کہا جاتا ہے، کو حکم دیا: ”آسمان کی طرف چڑھ جاؤ،“ وہ آسمانوں کی طرف اڑ گئیں۔ تب حضرت ہزاری نے اپنے ڈنڈے کو حکم دیا: ”جا!..... ان کھڑاوں کو اتار لاء۔“ ڈنڈا گیا اور کھڑاوں پر بر سے لگا، وہ نیچے گر گئیں۔ جب بڑھمن نے یہ دیکھا تو یہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تو پانی پر اور یہاں شاہ کوٹ پر حضرت نولکھ ہزاری کا قبضہ ہو گیا۔

یہی قصہ لاہور کے علی ہبھوری صاحب کے بارے میں بھی مشہور ہے اور اسی پانی پر

جھگڑے کا قصہ راولپنڈی کے امام بری کے بارے میں بھی مشہور ہے۔ غرض ایسی بے سروپا باتیں بنانے کر یہ لوگ جاہل عوام کو خوب لوت رہے ہیں۔ اسی طرح مزار کے قریب ہی ایک پیاری ہے، یہاں ایک پتھر میں ایک بڑا سا پالہ بنایا ہوا ہے، جس کے ایک جانب شیر کے دو پنجے ہیں، دوسری جانب بکری کے گھنٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت نے شیر اور بکری کو ایک پیالے میں پانی پلایا تھا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے نشانات بنانا کیا کوئی مشکل کام ہے۔ لوگوں نے تو پتھروں کے خوبصورت بت تراث لیے کہ جنہیں دور سے دیکھیں تو اصل کا گمان ہو۔ تو ایسے نشانات اپنا کاروبار معرفت چکانے کے لیے لگائیے گئے ہوں تو کون سا بعید ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نشانات مسلمانوں کے لگائے ہوئے ہیں یا کہ مسلمانوں سے بھی قبل ہندو سادھو اور پنڈت وغیرہ یہ کارگیری کر کے اپنے لوگوں کو بے وقوف بناتے رہے ہیں اور پھر یہ بنایا ریڈی میڈ کام مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔

سکھوں سے مثابہت:

اس بات کو تقویت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ سکھ جو کہ حسن ابدال جاتے ہیں اور وہاں ان کا گور دوارہ ”پنجہ صاحب“ موجود ہے۔ وہاں انھوں نے اپنے گورو کا یہ قصہ مشہور کر رکھا ہے کہ ایک حضرت اور ان کے درمیان پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ حضرت نے ایک بہت بڑا چٹان نما پتھر نیچلڑھ کا دیا، تب نیچے کھڑے گورونا نک نے اپنے پنجے سے چٹان کو وہیں روک دیا۔ چٹان آج بھی لڑکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ہاتھ کا پنجہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہاں گور دوارہ ”پنجہ صاحب“ بن گیا، جہاں سکھ اپنے گرو کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کارگیریاں، شعبدے اور افسانے ہیں، جو ہر مذہب والوں نے اپنے ماننے والوں کو بے وقوف بنانے کا مشہور کر رکھے ہیں اور خوب دنیا کما رہے ہیں۔ رہا اسلام..... تو اس کا نہ صرف یہ کہ ان چیزوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو

مٹانے کے لیے آیا ہے، نہ کہ روان دینے کے لیے۔

جب مرید قابل اعتراض حالت میں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے!:

ہر قمری مہینے کی پہلی جمعرات کو نوچندی کہا جاتا ہے اور اس روز دربار پر بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ ایک نوچندی کے دن زائرین کے مسافرخانے میں لوگوں نے چند افراد کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا، تب انھیں گدی نشین کے رو برو پیش کر دیا گیا۔ انھوں نے گدی نشین کی خدمت میں نذرانہ پیش کر دیا۔ دوسرے روز جب مسافروں نے ان افراد کی پھروہی حالت دیکھی تو گدی نشین سے جا کر دوبارہ شکایت کی، تو انھوں نے جواب دیا: کہ رات مجھے بڑے پیر صاحب ملے تھے، وہ مجھ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے: ”میرے مہمان میرے جانور ہیں، ان سے تعریض کریں۔“ چنانچہ جب لوگوں کو پتا چلا کہ بڑے پیر صاحب نے یوں ان کا ذکر کیا ہے تو انھیں بھی بزرگ سمجھ کر لوگ ان کی زیارت کو جمع ہو گئے۔

ایسے ہی کلیر کے نقیر انہی پیروکاروں کے بارے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا

ہے:

﴿أُولَئِكَ مَا لَأَنْتَ بِهِ أَنْتَلُ﴾ (الاعراف: ١٣٩)

”یہ لوگ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔“

اب حضرت نے جانور تو تسلیم کر لیا، دیکھیے اگلی منزل جو جانوروں سے بھی بدتر ہے، اسے کب تسلیم کرتے ہیں۔

پیشاب سے نہانے کی برکتیں !!:

دربار کے قریب ایک چھپڑ (جو ہڑ) ہے۔ پہلے اس میں پانی کچھ صاف ہوا کرتا تھا اور مرد اور عورتیں یہاں نہایا کرتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ یہاں نہانے سے تمام جلدی بیماریاں (خارش وغیرہ) ختم ہو جاتی ہیں۔ نوچندی اور میلے کے دنوں میں رش زیادہ ہوتا، ارگ کردن جوان بڑ کے

اور باقی لوگ کھڑے ہوتے اور یہاں نہانے والوں کا نظارہ کرتے۔ اب اس چھپر میں شہر کا گوبر اور پیشاب ملا گندہ پانی جمع ہوتا ہے مگر اس کے باوجود بعض لوگ اب بھی اس میں نہانے سے باز نہیں آتے۔

متبرک راکھ:

اسی طرح بے اولاد لوگ دربار کے صحن کے درختوں کے اڑھائی پتے کھاتے ہیں، یہ یقین کر کے کہ اب انھیں اولاد ملے گی۔ جس کا مرض لا علاج ہواں کے بارے مشہور ہے کہ وہ حضرت کے لیے جلنے والی آگ کی راکھ کھایا کرے۔

غرض ہم لوگوں نے یہاں یہ مشہور کر رکھا تھا اور اپنے مریدوں کا عقیدہ بنا دیا تھا کہ اللہ کی سلطنت بہت وسیع ہے۔ اس کا تحت آسمانوں سے بھی اوپر ہے، وہ اکیلا انتظام نہیں چلا سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بزرگوں کو زمین میں اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ لوگوں کے حالات سے اللہ کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پیر کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی ہے اور یہ جو مصائب آتے ہیں یہ تو بزرگوں کی ناراضی کی وجہ سے ہی آتے ہیں، لہذا انھیں راضی رکھنا چاہیے۔

مشرکین مکہ کا عقیدہ:

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ جو ہم نے اپنے مریدوں میں مشہور کر رکھا ہے، مشرکین مکہ سے ملتا جلتا ہے۔ اللہ کے فرائیں ملاحظہ کیجیے:

فَلَمَنْ يَرَوْنَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنَ يَعْلَمُ اللَّهُ السَّمَعُ وَالْأَبْصَرُ
وَمَنْ يَغْرِي الْحَمَّى مِنَ الْمُسِّيْرِ وَيَغْرِي الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِ وَمَنْ يَدْعُوُ

الْأَكْنَمَ فَسِيْقُولُونَ اللَّهُ فَقْلَ أَفْلَالَ الْمُقْنُونَ (٦)

(یونس: ٣١)

”میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان سے پوچھو! کون ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے

رزق دیتا ہے، سننے اور دیکھنے کی وقتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ تو بول اٹھیں گے کہ ”اللہ“ کہہ دو کہ پھر کیا تم (شک کرنے سے) پر ہیز نہیں کرتے؟“

اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ نے مشرکین مکہ کے عقیدے کو یوں بیان فرمایا:

وَلَيْسَ مَا لَتَهُم مِّنْ خَلْقٍ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ إِلَّا قُولُونَ اللَّهَ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ

(النَّجَادَة: ٢٥)

بِلَّا أَكْنَتْ رَبَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

”اور اگر ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ یہی کہیں گے کہ ”اللہ“ نے، کہو سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں مگر ان میں اکثر جانتے ہی نہیں ہیں۔“

مشرکین مکہ یہ سب کچھ ماننے کے باوجود اپنی بزرگ پرستی کی دلیل کیا دیتے تھے، قرآن کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں اور آج کے لوگوں کی دلیلوں کو بھی سامنے رکھ لیں اور پھر دیکھیں کہ ان میں کیا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيَ أَنْهَىٰ أَنْجَدَ وَأَمْرَتْ دُوْنِهِ إِنْ لِيَكَ أَمْلَأَ مَا نَعْبُدُ هُنَّ إِلَّا يَقْرِبُونَا إِلَىٰ

(النَّجَادَة: ٢٦)

اللَّهُمَّ لِنَفْتَنَ

”اور وہ لوگ کہ جنہوں نے اللہ کے علاوہ مددگار بنارکھے ہیں (وہ اپنے اس شرک کی دلیل یوں بیان کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ وہ (بزرگ) اللہ تک ہماری رسائی کرتے ہوئے ہمیں اس کے قریب کر دیں۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رض فرماتے ہیں:

”مشرکین کہا کرتے تھے: ”اے اللہ! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک

نہیں۔” یہاں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے: ”تم پر افسوس ہے یہیں رک جاؤ، ٹھہر جاؤ۔“ (مگر وہ مشرک اس کے بعد کہتے) ”مگر وہ شریک جو کہ تیرے ہی ماتحت ہیں اور جس کا تو ہی مالک ہے اور جس چیز کا وہ (بزرگ) مالک ہے، اس کا بھی (اے اللہ!) تو ہی مالک ہے۔“ مشرکین یا الفاطعے کے طواف کرتے ہوئے کہتے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب التلبیة و صفتہا و وقتہا: ۱۱۸۵)

میں کیسے تائب ہوا :

میں ایک روز دربار میں بیٹھا تھا کہ اچاک دروازے پر لوگوں کی آوازیں سنائی دیں، ایک آواز یوں کان میں پڑی.....” وہابی ہے، حضرت کی گستاخیاں کر رہا ہے۔“ میں بھاگ کر دروازے پر گیا، لمی سی داڑھی والا ایک مبلغ توحید کا وعظ سنارہتا ہے.....لوگوں کو دربار پر ہونے والے شرک سے باز کر رہا تھا.....اللہ کی عظمت بیان کر رہا تھا.....میں نے اسے روکا، وہ نہ کہ تو اسے دھکے دے کر ایک طرف کر دیا اور پھر مریدوں نے اسے مزید دھکے دے کر اور مار کر دربار کی حدود سے نکال دیا۔

یہ واقعہ جو رونما ہو چکا تھا، یہ بار بار میرے ذہن میں گردش کرنے لگا، پھر یہ میرا چین اڑانے لگا، اس مظلوم مبلغ کی آواز ہر روز میرا پیچھا کرنے لگی حتیٰ کہ میرا دل چاہنے لگا کہ وہ شخص ایک بار مجھے مل جائے تو اس سے مغفرت کروں۔ مگر وہ شخص نہ جانے کون تھا کہ جو مجھے آج تک نہ مل سکا۔ ہر حال میں نے سوچا کہ یہ تبلیغی جماعت والا ہو گا۔ چنانچہ میں تبلیغی جماعت میں دچپی لینے لگا، ان سے ملاقاتیں کرنے لگا، ان کے حلقوں میں چوری چھپے بیٹھنے لگا مگر تبلیغی جماعت میں اس کردار کا مجھے کوئی فردا نہ آیا جس کی مجھے تلاش تھی، جسے میں نے دھکے دیے تھے، جسے میرے مریدوں نے مارا تھا۔ آخر کار اپنے خیال کے مطابق تبلیغی جماعت والوں سے ایک درجہ اوپر دیوبندیوں سے رابطہ کرنے لگا کہ شاید وہ مجھے یہاں مل جائے کہ جس کی تلاش میں میں سرگردان ہوں، مگر یہاں بھی مراد پوری نہ ہو سکی۔ اس دوران ہمارے مجاہدوں کی قوم سے میرا ایک ہم قوم دوست منظور احمد حج کرنے گیا۔ وہ واپس آیا،

وہاں کے حالات اس نے مجھ سے بیان کیے تو اہل حدیث حضرات کی تعریفیں کرنے لگا۔ میں نے محسوس کیا یہ شخص اہل حدیث مسلک اختیار کرنے والا ہے۔ میں نے فی الحال اس کو ایسا کرنے سے روکا۔ دوسرے سال اللہ کی توفیق سے میں خود حج کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ یہ ۱۹۷۸ء کی بات ہے، بھری جہاز کا سفر تھا، جہاز میں شاہ کوٹ کے حاجیوں کے ساتھ ہی ڈسکہ شہر کے حاجیوں کا بھی قافلہ تھا۔ یہ سب لوگ اہل حدیث تھے۔ ان میں ایک عالم منیر احمد تھا، جو صبح کو قرآن کا اور شام کو حدیث کا درس دیتا۔ میں ان درسون میں شامل ہونے لگا۔ قرآن و حدیث کا یہ وعظ سن کر مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ جس شخص نے ہمارے دربار پر وعظ کیا تھا، ان کے وعظ اور بیان توحید کا انداز ایک ہی جیسا ہے۔ بہر حال اب واضح طور پر اہل حدیث حضرات سے اُس سما محسوس ہونے لگا۔

تقلید سے تحقیق کی طرف:

۶ ذوالحجہ کو ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پہلے طواف کے بعد ہمارے قافلے نے دونفل نہ پڑھے، کیونکہ یہ طواف بعد از نماز عصر ہوا تھا اور عصر کی نماز کے بعد دونفل کی ممانعت ہے۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ہم حنفی لوگ ہر طواف کے بعد دونفل چھوڑ دیا کرتے تھے اور اہل حدیث پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے ایک اہل حدیث عالم سے طیش میں آ کر پوچھا: ”تم لوگ واقعی گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو۔ حضور ﷺ عصر کے بعد دونفل پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور تم باز ہی نہیں آتے۔“ اہل حدیث عالم نے میری یہ باتیں ختم سے سنبھالو شریف کی حدیث میرے سامنے رکھ دی، جس میں بیت اللہ کو اس ممانعت سے مستثنی کر دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا بَنِي عَبْدٍ مَنَافٍ! لَا تَمْنُعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ أَوْ صَلَّى آيَةٌ

سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ»

(ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الصلوة بعد العصر و بعد الصبح لمن

(۸۶۸) بیطوف

”اے بنی عبد مناف! کسی کو مت روکو جو بھی اس گھر کا دن یا رات کی کسی بھی گھری میں طواف کرنا یا نماز پڑھنا چاہتا ہے۔“

اب میں یہ حدیث اپنے حنفی علماء کے پاس لے کر گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر حدیث کا انکار کر دیا کہ امام ابو حنیفہ نے اس پر عمل نہیں کیا، لہذا وہ ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ ہم تو امام اعظم کے مقلد ہیں۔ یہ بات میرے دل کو پتھر بن کر لگی۔ میں نے سوچا کہ جن لوگوں کو میں گرتاخ کہہ رہا ہوں، وہ اپنی ہر بات پر حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں اور جو محبت اور عاشق بنے پھرتے ہیں، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے قابل عمل ہونے کے لیے اس کو ایک امتی کے عمل کا محتاج بنا رہے ہیں، بھلا اس سے بڑھ کر اور ظلم اور گستاخی کیا ہوگی!!! چنانچہ اس واقعہ نے میرے لیے تحقیق کا دروازہ کھوکھ دیا اور پھر میں نے مکہ اور مدینہ میں جو پانچ ماہ قیام کیا تو یہ سارا عرصہ اسی تحقیق ہی میں لگا رہا حتیٰ کہ اس تحقیق نے مجھے اس مقام تک پہنچا دیا کہ اب مجھے اہل حدیث مسلم کے قبول کرنے کا اعلان کر دینا چاہیے۔ میں نے اپنے اللہ سے ہدایت کی خصوصی دعا کی اور بیت اللہ کے اندر حطیم میں سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے جو ساری کی ساری شیشی کی بنی ہوئی ہے، اس کے بینا آسمان کو چھوڑ رہے ہیں اور بنیاد میں دور تک زمین کی گھرائیوں میں بڑی مضبوطی کے ساتھ جبی ہوئی ہیں، جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ قَرِّبْ لِيْكَ صَرَبَّ اَنَّهُ مَثَلًا لِّكُلِّ مُحِيطٍ كَشْجَرَ فِي طِيَّبَةٍ

(ابن ماجہ: ۲۴)

”میرے پیغمبر! آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسے بیان کی جیسے ایک پاکیزہ درخت ہو، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ اس مسجد میں لوگ نماز ادا کر رہے ہیں اور فتح المیدین کی سنت پر عمل کر

رہے ہیں۔ میں اس مسجد کے گرد پھر رہا ہوں، داخل ہونا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں مل رہا۔ آخر کا رمیں نے مسجد کے اندر والے ایک نمازی سے پوچھا: ”دروازہ کہا ہے؟“ جواب ملا: ”اس میں مشکر آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔“

قرآن میں اللہ مونموں سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

بَشَّارُهُمَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُسْكِنُ كُوْنَتْ بَحْرٌ فَلَا يَقْرَبُونَا
الْمَسِيْحُدَ الْحَرَامَ يَعْدَ عَمَّا هُمْ هَكَذَا (النور: ٢٨)

”اے ایمان والو! بلاشبہ مشکر پلید ہیں، لہذا یہ اس سال کے بعد احترام والی مسجد کے قریب بھی نہ جائیں۔“

اس کے بعد میں اچانک مسجد میں داخل ہو گیا اور وہاں نماز پڑھنے لگا، اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں حطیم میں لیٹا تھا۔

شیطان کا جال:

اب میں نے اہل حدیث ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا بلکہ دل تو موحد بن چکا تھا لیکن اس دوران شیطان درباری زندگی کی پرتعیش بھاروں کے چھن جانے کا خوف دلانے لگا، مستقبل کے خطرات سے ڈرانے لگا..... دربار پر جو خزانہ کھلتا اور میں اس خزانے کی دولت (کرنی سکوں اور نوٹوں) کو تکڑی (ترازو) سے تو لا کرتا تھا..... وہ منظر میرے سامنے آنے لگا..... نیاز اور شیرینی کی حلاوت کا مزا مجھے یاد آنے لگا..... اور یہ بات بھی یاد آئی کہ ہم نے کس محنت سے ان نیازوں کو رواج دیا تھی کہ سکھوں سے شیرینی لینے کے لیے ہم لوگوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ سکھوں کے بڑے بابا گورو نانک صاحب بھی ہمارے پیروں کی دعا سے ہی وجود میں آئے ہیں۔ ہماری یہ بات سن کر ہمارے دربار پر حلوے، کھیریں اور نیازیں اور زیادہ کثرت سے آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اسی طرح شیطان مجھے بھی برادری کا بت، رسم و رواج کا بت اور کبھی وہ جھوٹی عزت کے ختم ہونے کا خوف دلاتا..... مگر میں نے تعود پڑھا، لا حول ولا

قوۃ الالہ باللہ کا ورد کیا اور اللہ کی توفیق سے عبد الرحمن مجاور سے عبد الرحمن موحد بن کرا بر ایم خلیل اللہ علیہ السلام کے بنائے ہوئے مرکز توحید بیت اللہ سے عقیدہ ابراہیم لے کر واپس گھر لوٹا۔

گھر آنے پر مصیبتوں کے پھاڑ ٹوٹ پڑے:

جب میں گھر آیا، لوگوں سے ملاقات ہوئی تو میری سب سے پہلی بات توحید پر ہوتی۔ جوں جوں توحید بیان کرتا گیا توں توں اپنے اور بیگانے سب مجھ سے نفرت کرتے گئے۔ جو کوئی مجھے دیکھتا ”یا علی مدد“ کے نعرے بلند کرتا، مجھے دیکھ کر شرکیہ کلام دہراتا۔ بعض لوگوں نے میری مخالفت میں مجھ پر نشیات، قتل اور ڈاکے کے مقدمات درج کر دیے۔ شاہ کوٹ کے تمام مولویوں نے اپنے لاڈ سپیکروں کا رخ میری طرف کر دیا، صبح کے وقت درس قرآن کی بجائے مجھے گالیاں دینے سے حضرت صاحب کی تقریر شروع ہوتی۔

میرا رد عمل:

میرا گھر جو کہ دربار کے پڑوس میں مجاوروں کی آبادی میں تھا، میں نے اس کے ساتھ اللہ کی توفیق سے اللہ کا گھر تعمیر کر دیا اور اللہ کی توحید کا وعظ کرنے لگا۔ تب میری مخالفت میں اور زیادہ شدت آگئی اور پھر تو میرا یہ حال ہو گیا کہ جب کبھی میرے مخالفین مجھے گالیوں اور دشام طرازیوں سے نوازتے تو مجھے یہ خیال آنے لگتا شاید حق بیانی میں مجھ سے کوتا ہی ہو رہی ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ نکالیف اللہ کی محبت اور اس کی توحید کو اپنا نے اور بیان کرنے کی وجہ سے پیش آ رہی ہیں، دل مسرور ہو جاتا۔

مسجد بنانے کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد رفیق مدن پوری مرحوم کو (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کے باعچپوں میں سے ایک باعچپ بنائے۔ آمین!) ہم نے مسجد میں خطاب کی دعوت دی۔ لوگ دور سے چل کر آئے کہ شاہ کوٹ کی مسجد میں اہل حدیث کا پہلا اجتماع ہو رہا ہے۔ اہل حدیث ہونے کے بعد ڈیڑھ سال تک تو میرا کوئی ساتھی نہ تھا، بعد میں جب دعوت کا کام بڑھا تو اللہ نے کئی لوگوں کے دل پھیر دیے۔

تب کچھ ہی عرصہ بعد اللہ کی توفیق سے چودھری محمد ارشد ساہی صاحب نے نکانہ روڈ پر ایک ایک سترہ مرلے کا وسیع و عریض پلاٹ شہر کی انتہائی اہم جگہ پر حاصل کر لیا، جہاں آج کل اللہ کی توحید کا ڈنکانج رہا ہے۔ شہر کے وسط میں بھی نئی اہل حدیث مسجد بن چکی ہے۔ شاہ کوٹ کے مضافات میں بھی دعوت توحید پھیل چکی ہے۔ دھنواں اور چک نمبر ۸ میں اہل حدیث مساجد بن چکی ہیں۔ اس کے علاوہ دو مزید دیہات میں مساجد بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (اب تک یقیناً بن چکی ہوں گی۔ ان شاء اللہ) غرض جس علاقہ میں اہل توحید کا نام و نشان نہ تھا، آج الحمد للہ وہاں سے توحید کی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔

کڑوی بات:

آخر پر میں ایک کڑوی بات بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شاہ کوٹ کی طرح نہ جانے کہاں کہاں دعوت توحید پھیلنے کی ایسی کئی داستانیں بکھری پڑی ہیں مگر ہماری اہل حدیث جماعتوں کو اس کا خیال تک نہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دعوت کے میدان کو ہم چھوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلک کے حق ہونے کی نشانی ہے کہ وہ اپنا آپ منوار خود ہی پھیلتا جا رہا ہے، اگر یہی کام منظم طریقے سے جماعتی سطح پر کیا جائے اور نامراد جمہوریت میں صلاحیتیں اور قیمتی سرمایہ بر باد کرنے کی بجائے ”دعوت الی اللہ“ میں یہ سب کچھ خرچ اور صرف کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ:

وَرَأَيْتَ أَنَّ اسَّيْدَ الْجَمَاعَةِ فِي دِيْنِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (انصر: ۲)

”اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔“
کا سماں بندھ جائے۔ (ان شاء اللہ!)



باب نمبر ۷

اصلی داتا دربار کی تلاش میں !!

داتا دربار کا تاریخ کے آئینہ اور مشاہدات کی روشنی میں ایک
حقیقت پسندانہ جائزہ

داتا دربار سے کہتے ہیں جہاں سے دونوں جہانوں کی بھلائیاں ملیں اور جس دربار سے
یہ سب کچھ مل جائے بھلا ایسا کون نادان ہے جو وہاں نہ جائے۔ چنانچہ ہم جس دربار کو داتا
دربار سمجھتے تھے سو اسے سمجھتے ہی تھے..... مگر جب ہم اپنے گاؤں سے اٹھ کر لاہور شہر میں آئے
 تو پتا چلا کہ لاہور میں ایک داتا دربار ہے۔ چنانچہ دربار پر جانے اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔
 اپنا یہ شوق ایک دوست کے سامنے ظاہر کیا..... تو وہ کہنے لگا: ”بھائی! بھائی دروازہ میں جو
 دربار ہے وہاں مت جائیے..... وہ تو فعلی دربار ہے، وہ داتا دربار نہیں ہے، داتا دربار تو شاہی
 قلعہ میں ہے۔ وہاں شیش محل کی دیوار کے ساتھ زیریز میں واقع ہے..... علماء اور مومنین نے
 جو تحقیق کی ہے تو ان کی جدید تحقیق کے مطابق آثار قدیمہ کے حکمہ والوں نے وہاں کھدائی
 شروع کر دی، کھدائی کرتے ہوئے اندر سے دربار دریافت ہو گیا، وہی اصلی دربار ہے۔ یہ
 بھائی والا نقشی دربار ہے، یہاں مت جائیے، یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔“

اصلی داتا دربار:

اب میں شاہی قلعہ میں جا نکلا، وہاں ایک الہکار سے پوچھا: ”بھائی! سناء ہے کہ اصلی داتا دربار یہاں شاہی قلعہ میں ہے!!..... آپ کی بڑی مہربانی اگر آپ مجھے وہاں لے چلیں، تو الہکار نے مجھے آہستہ سے کہا: ”بھائی! دربار تو ہے، میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں، ویسے ہم عام لوگوں کو اس کی خبر نہیں کرتے کیونکہ رش ہو جاتا ہے اور وہ زمین دوز ہے، اگر زیادہ لوگوں کو پتا چل گیا کہ اصلی داتا دربار یہ ہے تو سب لوگ بھائی والے نقلي داتا دربار کو چھوڑ کر نہیں آ جائیں گے اور پھر اندر دم گھٹ کر مر جائیں گے۔“ میں نے کہا: ”اچھا یا! پھر مجھے تو وہاں لے چل۔“ چنانچہ ہم دونوں شیش محل کی دیوار کے ساتھ پہنچے تو اس نے زمین پر پڑے ہوئے آہنی دروازے کے دونوں طاق دائیں باسیں واکیے تو اندر سے بل کھاتی نیچے کو جاتی ہوئی سیڑھی دکھائی دی۔ مجھے کہنے لگا: لو یہ ہے اصلی داتا دربار..... اب مجھے اجازت.....“ میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زیر زمین لنبد کا اندرورنی حصہ میرے سر کے اوپر دکھائی دیا، درمیان میں ایک قبر تھی، جس کے اوپر سادہ پتھر لگے ہوئے تھے۔ اس قبر کے ارد گرد ایک عورت اور دو مرد بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: ”کہاں سے آئے ہو؟“ تو انہوں نے کہا: ”ہم کراچی سے آئے ہیں اور محض اس اصلی داتا دربار کی زیارت کرنے آئے ہیں۔“

وہاں ان لوگوں نے ایک دیا بھی جلا رکھا تھا اور ایک سبز چادر بھی مزار پر ڈال رکھی تھی۔ میں یہ دیکھ کرو اپس ہوا تو تمام راستے میں یہی سوچتا رہا کہ کیا یہ اصلی داتا دربار ہے؟ کیا لوگوں نے ایک فوت شدہ ”بزرگ“ کی قبر کو داتا دربار کہنا شروع کر دیا ہے؟ داتا تو اسے کہتے ہیں جس سے جو مانگا جائے وہ عطا کرے اور یہ اصول ہے کہ دینے والے کا ہاتھ ہمیشہ اوپر ہوتا ہے جب کہ لینے والے کا ہاتھ ہمیشہ نیچے ہوتا ہے یہ کیسا داتا ہے کہ جسے کہا تو داتا جاتا ہے مگر یہ خود سطح زمین سے بھی نیچے مدفن ہے!!..... اور جو اس داتا سے مانگنے والے ہیں، وہ اس داتا سے اوپر ہیں!! اور پھر جب یہ اس زیر زمین داتا سے مانگ رہے ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ آسمان کی جانب ہوتے ہیں، چہرہ اور نگاہیں بھی اکثر آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں..... تو



202

شاهراه هشت

یہ تو واقعہ اور عمل میں بہت دوری ہے۔ واقعہ اور عمل میں یکسانیت تو یہ ہے کہ ہاتھوں کے تلوے آسمان کی بجائے زمین کی جانب ہوں کیونکہ ان لوگوں کا داتا زیر زمین (دفن) ہے..... کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ لوگوں کی فطرت آسمان میں داتا کی ملاش میں سرگردان ہے جبکہ بعض لوگوں نے اپنے مقاصد کی خاطر لوگوں کو گمراہ کیا ہو اور یوں انھیں ایک زیر زمین داتا فراہم کر دیا ہو۔

علی ہجوری کی قبر شاہی قلعہ میں ہے، بھائی چوک میں نہیں!!:

جبیسا کہ ہم نے ابھی بتایا کہ علی ہجوری کی قبر لوگوں کے بقول بھائی چوک میں نہیں ہے..... یہ قبر ہے، جو اکبر بادشاہ نے تعمیر کروائی تھی، تاکہ عرس اور میلبوں وغیرہ کی بنا پر پیدا ہونے والے ہجوم اور ازدحام سے شاہی محل کو بچایا جاسکے اور عوام قلعے سے باہر والی قبر پر ہی جو کرنا ہے کرتے رہیں۔

قارئین کرام! یہ لوگوں کا یا صرف ہمارا ہی نقطہ نظر نہیں بلکہ ایک تاریخی امر واقعہ ہے۔ جس کے متعلق اس سے پہلے بھی متعدد اہل فکر و دانش زور دے چکے ہیں کہ حکومت پاکستان علی ہجوری کی اصل قبر کی نشاندہی کر کے لوگوں میں پائے جانے والے اضطراب کو رفع کرے۔ ان احباب میں مولانا اجمل قادری کے والد مولانا احمد علی لاہوری بھی شامل ہیں۔ اب ہم مثال کے طور پر آپ کے لیے ایک تحقیقی تحریر پیش کرتے ہیں جو ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء کے ”روزنامہ پاکستان ٹائمز“ میں شائع ہوئی۔ اس میں شاکر رضوانی صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ حکومت علی ہجوری کی قبر کی اصل حقیقت سامنے لائے۔ جب یہ مضمون پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تو پورے پاکستان میں خانقاہی نظام کے علمبرداروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ داتا دربار کے گدی نشین تے دل سے یہ کہتے:

بھئی! ہم اتنا واویلا کیوں کریں؟ ہم صاف کہتے ہیں کہ جس طرح چاہے حکومت تحقیق کر لے، یہاں بھائی والی قبر انہی داتا علی ہجوری صاحب کی ہی ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں،

شاهره بیشت

204

حکومت جیسے چاہے تحقیق کرے، ہم بھرپور تعاون کریں گے، تاکہ عوامِ انس میں جو شکوہ و شہباد کی فضائی جاتی ہے، وہ ختم ہو۔ قارئین! خانقاہی نظام کے ٹھیکداروں اور تاجروں نے ایسا نہیں کیا کہ اس طرح جو ان کی دن رات تجوریاں بھرتی تھیں..... بینک بیلنس بنتے تھے..... اصل حقائق سامنے آنے کی صورت میں وہ ختم ہو جاتے۔ بے دلیل خانقاہی نظام کی بدولت اس قبر کے ذریعہ جو تجارت دن رات جاری و ساری تھی وہ تباہ ہو جاتی..... ہاں..... اسی لیے انہوں نے قبر کی تحقیق کرنے والے صحافی شاکر رضوانی کے خلاف پورے ملک میں احتجاج کا طوفان کھڑا کر دیا۔

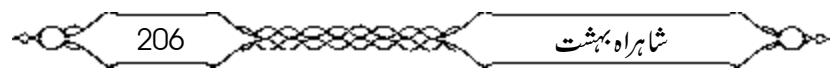
اس شدید احتجاج کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس کو دیکھتے ہوئے کوئی دوسرا شخص دوبارہ یہ مطالبہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس احتجاج میں شائع ہونے والے ایک اشتہار کا عکس آپ بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں، جس میں شاکر رضوانی کے انگریزی مضمون کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ بھی ان گدی نشینوں نے کیا ہے (جونظر آرہا ہے)۔ ہم مضمون کا وہ ترجمہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں، خود کچھ نہیں کہتے!!..... کہ ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی..... لیجیے! اشتہار بھی داتا دربار کے گدی نشینوں کا اور پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے مضمون کے ایک حصہ کا ترجمہ بھی ان ہی کا کیا ہوا..... اس کی سرخی کچھ اس طرح ہے:

”مزارِ گنج بخش عَزِيزِ اللہِ کو مسما رکرنے کا شرائیز مطالبة“

اور پھر گدی نشین شاکر رضوانی کی تحریر کا ترجمہ کرتے ہیں، جس میں رضوانی صاحب لکھتے

ہیں:

”جیسا کہ بیان کیا ہے کہ مصنف (داتا گنج بخش عَزِيزِ اللہِ) کے بارے میں اس کے سوا کوئی معلومات موجود نہیں جو کہ اس کتاب (کشف المحووب) میں دی گئی ہیں۔ ان کی پیدائش اور وصال کی تاریخوں کا محض تخمینہ ہی لگایا جاسکتا ہے حتیٰ کہ ان کی جائے تدفین کے بارے میں بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ لاکھوں لوگ موجودہ



جگہ کو ان کا مزار سمجھ کر زیارت کرتے ہیں جبکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ، شاید اکبر کے قلعے کے ایک کونے میں مدفن ہوں۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ بھی اتنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ایسی جعلی قبر بنانا جوان کی قبر قطعاً ہو، اس کو غسل دینا، کپڑے کی چادریں چڑھانا اور پھول نچاہو کرنا، بت پرستی کی ایک قسم ہے، علامتی بت پرستی بہت بڑی کم رہتی ہے۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ولی کی قبر کی تعمین کرے خواہ یہ یقین حاصل کرنے کی غرض سے، یہاں سے انسانی ڈھانچے کے آثار دیکھنے کے لیے (علی ہجویری کی) قبر ہی کیوں نہ کھو دنا پڑے۔ اگر یہی قبر اس ولی کا مدفن ہوا تو اس کا جسم اور کفن صحیح سالم ہو گا اور اگر یہاں کوئی شخص مدفن نہ ہوا تو یہاں سے انسانی ڈھانچے نہیں ملے گا۔ اس صورت میں یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہاں کسی قبر کا وجود نہیں تھا۔ تا آنکہ شہنشاہ اکبر نے لوگوں کو شاہی محل سے دور رکھنے کے لیے یہ جعلی قبر تعمیر کر دی۔

شہنشاہ اکبر نے اجیر میں بھی یہی کام کیا تھا، جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قریبی پہاڑوں میں مدفن ہیں..... جبکہ ان کی درگاہ اور دربار شہر کے بڑے بازار میں ہے۔ ایسا محض زائرین کی سہولت کے لیے کیا گیا تھا۔

میں نے بارہا اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کسی بھی تاریخ کے بغیر اس ابہام کو دور کیا جائے لیکن تا حال کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے۔ اگر قبر کھونے پر یہ ثابت ہو جائے کہ ولی واقعتاً یہاں مدفن ہیں تو ایک عظیم شہبہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمه ہو جائے گا۔ اگر اس کے عکس بات ثابت ہو تو جعلی قبر کو مسما کر دیا جائے۔

(روزنامہ پاکستان نامزد ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء)

اب داتا دربار کے گدی نشین اس تحریر اور مطالبے پر آگ بگولا ہوتے ہوئے احتجاج کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”ہم اس فتنہ انگلیز اور گستاخانہ تحریر پر پزو را احتجاج کرتے ہیں اور حکومت پاکستان

سے درخواست کرتے ہیں کہ اس تحریر کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار افراد اور گستاخ شاکر رضوانی ”پاکستانی رشدی“ کے خلاف فوری انصاف کی عدالت میں کارروائی کی جائے۔ تاکہ یہ فتنہ جلد از جلد اپنے انجام کو پنچے۔

قارئین کرام! یہ تھانقی قبر کے متعلق اب کشائی کرنے والے کے متعلق مصنوعی دربار کے سجادہ نشینوں کا رد عمل کہ جس کے متعلق میں سوچوں میں گم رہتا تھا کہ میں نے اچانک اخبار میں خبر پڑھی کہ ۱۰ اکتوبر کو لاہور میں داتا صاحب کا عرس ہو رہا ہے اور یہ عرس بھائی دروازے میں ہو رہا تھا۔ اب میں دوبارہ یہ سوچنے لگا کہ شاہی قاعده میں جو اصلی داتا دربار دیکھنے گیا تھا، وہ تو کچھی بات ہے نقلی داتا دربار ہے۔ اب ممکن ہے جس بھائی والے دربار کو لوگ نقلی داتا دربار کہتے ہیں، ممکن ہے یہی اصلی ہو۔ چنانچہ فیصلہ کیا کہ اسے بھی دیکھے ہی لیا جائے۔ لہذا میں نے اپنے ایک انجینئر بھائی کو تیار کیا، پنجاب یونیورسٹی اولڈ کمپس سے ہم نے اپنے ایک دوست محمد احمد صاحب کو بھی ہمراہ لیا اور ہم تینوں بھائی کے داتا دربار کی طرف چل دیے۔

دو لہے کی قبر پر.....!!

جب ہم داتا دربار کی طرف جانے والے پر رونق بازار میں داخل ہوئے تو جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے اور بازار کی رونقیں اور داتا صاحب کو تھنہ دینے کے لیے لوگوں کی خریداری دیکھ رہے تھے، تو کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ داتا کا عرس ہے۔ ہم نے عربی میں یہی پڑھا ہے کہ عرس کا معنی شادی ہوتا ہے اور اس حوالے سے دولہا میاں کو عرلیں اور دہن صاحبہ کو عروں کہتے ہیں۔ کیا داتا کی بھی شادی ہوتی ہے؟..... کیا وہ بھی ہر سال دولہا بنتا ہے؟ یہ یقین نہ آتا تھا مگر بازار کی رونق دیکھ کر صاف محسوس ہونے لگا کہ پروگرام واقعی شادی جیسا ہے۔ تلہ لگی اور کڑھائی کی ہوئی خوبصورت سبز تیتی چادریں اسی طرح داتا دربار کو پہنائی جا رہی ہیں جیسے ہمارے معاشرے میں دولہن کو پہنائی جاتی ہیں۔ جس طرح دولہا کو نوٹوں کی سلامی دی جاتی ہے اور ہمار پہنائے جاتے ہیں، وہی کیفیت یہاں ہے کہ چادریں نوٹوں سے

بھر کر لائی جا رہی ہیں، نوٹوں اور پھولوں کے ہار بھی یہاں بے شمار ہیں، چھوہارے بتا شے، مکھانے اور مٹھائیاں جن کے بغیر شادی کا تصویر نہیں کیا جا سکتا، ان سے یہ بازار بھرا پڑا ہے۔ تھوڑا سا آگے گئے تو گوشت، زردے اور پلاو کی دیگوں کا کوئی شمار نہ تھا اور نہ ہی کھانے والوں کا..... بھلا شادی ہو اور زردہ و پلاو نہ ہو، ہمارے معاشرے میں یہ ناممکن سی بات ہے..... میں نے اپنے ساتھی سے کہا: ”یار! یہ لاوڈ سپیکروں کا شور کیسا ہے جو کان کے پر دے چھاڑے چلا جا رہا ہے اور سمجھ کچھ بھی نہیں آ رہا کہ یہ کہنے والے کیا کہہ رہے ہیں؟“ چنانچہ ہم اس شور کی طرف متوجہ ہو کر چلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں کبھی اسلامیہ ہائی سکول بھائی گیٹ ہوا کرتا تھا، وہ علم کا گھوارہ گرا کر مسماਰ کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ اس بے ہنگم شور کا بندوبست کیا گیا ہے۔ سوچا کہ شاید یہ شور، جسے اتنے زبردست اہتمام کے ساتھ برپا کیا گیا ہے، یہ کوئی بڑی اچھی اور نصیحت آموز گفتگو ہو گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حکومتی سرپرستی میں پورے ملک کے علمی گھواروں کو گرا کر ایسے ہی شوروں کا بندوبست کر دیا گیا تو یہ قوم شاید جاپانی قوم سے بھی بازی لے جائے!! یہ سوچتے سوچتے جب اس ”شورگاہ“ کے قریب پہنچے تو سامنے کیا دیکھتے ہیں، ایک نوجوان عورت سبز لباس زیب تن کئے ہوئے انتہائی والہانہ انداز میں دھماں ڈال رہی ہے!! اور اس کے ارد گرد ایک مجمع ہے، جو یہ نظارہ کر رہا ہے۔ داتا دربار کے عرس (شادی) کی یہ دھماں اور رقص دیکھ کر آگے بڑھے تو ایک مرد بھی عورتوں کا روپ دھار کر یہی کام کر رہا تھا، لوگ کہہ رہے تھے: ”یہ داتا دربار کے ملنگ اور ملنگنیاں ہیں۔“

قوالی ہاؤس کا منظر:

یہ لوگ جس شور پر والہ و شیدا ہو رہے تھے، وہ جس جگہ برپا تھا اس جگہ کے ارد گرد جنگلے لگے ہوئے تھے اور ہم اسی جگہ پہنچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ایک آدمی سے پوچھا: ”بھٹی! اس ”شور و غل والی جگہ“ جانے کا راستہ کون سا ہے؟“ تو اس نے غصے سے کہا: ”شور و غل نہیں یہ تو ”قوالی شریف“ ہے اور پورے ملک سے بڑے بڑے قوال یہاں آتے ہیں۔“ اب میں

سوچنے لگا: ”اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ عربی میں تو قوای کا معنی ”یادہ گوئی“ بتتا ہے جبکہ بتتی اور بے ہودہ چیخ پکار کرنے والوں کو قوال کہا جاتا ہے اور یہ اسے شریف کہہ رہا ہے!!“

خیر ہم اس کے بتائے ہوئے راستے سے قوال شریف کی جگہ پہنچ گئے۔ اس جگہ کی سجادوں کے کیا کہنا!!..... رات کا وقت تھا، بجلی کے قیمے، ٹیویں اور رنگارنگ کے گوب جمگ جمگ کر رہے تھے۔ رنگ برگی چمکدار جھنڈیاں پنکھوں کی ہوا کے ساتھ پھر پھڑ رہی تھیں۔ ہمیں یہ سب دیکھ کر وہ غریب دیہاتی یاد آگیا کہ جس نے کسی دربار کا ایسا منظر دیکھ کر حسرت سے کہا تھا۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

بیٹھنے کو قالیں بچھے ہوئے تھے۔ سامنے سٹچ پر سات آٹھ آدمیوں کی ایک ٹیم بر اجمن تھی۔ ان کے سامنے مائیک تھے۔ طبلے، طبورے اور سرنگی نما آلات موسیقی ان کے سامنے تھے۔ یہ سب حضرات کبھی مل کر..... گلے پھاڑ پھاڑ کر..... ابھر ابھر کر..... کبھی زیادہ جوش میں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر..... ایسی عجیب و غریب آوازیں نکالتے تھے کہ جنہیں پوری طرح سمجھنا پہاڑ کھو دو دھکنے کی نہر نکالنے کے مترادف تھا۔ اس سٹچ پر ہر پانچ منٹ کے بعد ایک نئی ٹیم آ رہی تھی اور اپنا اپنا کرتیب دکھلا کر واپس جا رہی تھی۔ سامعین نوٹوں کی بارش کر رہے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ دو آدمی انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اس سٹچ کے سامنے کھڑے ہو گئے، جیب سے نوٹوں کی گلڈی نکال کر جیسے نوٹ گنے جاتے ہیں، ایسے جلدی جلدی نیچھے کتے جاتے تھے، ایک ختم ہونے کے بعد دوسرا نکال لیتے اور پھر کوئی آگے بڑھ کر ان نوٹوں کو ایک روپا میں ڈال کر ان قوالوں کے اوپر پھیک دیتا۔ ادھر قوال صاحبان اور تیز ہو جاتے۔ اتنے تیز ہو جاتے کہ دور بیٹھے ہوئے بھی مجھے ان کی پھولی ہوئی اور پھٹنے کے قریب رگیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان پر روپے پھینکنے والے ان کے اپنے ہی امجنٹ

تھے جو کہ ایک منصوبے کے تحت اس طرح ڈرامہ رچاتے ہیں تاکہ لوگ بھی جوش میں آکر قوالوں پر دولت نچاہو کریں اور اس طرح وہ ایک مجلس میں معرفت کے نام پر ہزاروں روپے چند منٹوں میں لوگوں سے ہتھیا لیتے ہیں۔ بہر حال سروں پر کپڑے کی سنہری اور سادہ ٹوپیاں پہننے والی یہ داڑھی منڈے قوالوں کی ٹھیں، اس مجلس کی انتہائی پاکباز ٹھیں تھیں..... اور ان ٹھیوں کی قوالیوں کے جو کوئی ایک آدھ الفاظ سمجھ میں آتے تھے تو وہ اس قدر کفر و شرک سے لبریز تھے کہ اگر انھیں سمندروں میں پھینک دیا جائے تو سمندروں کا پانی تیزاب بن جائے..... بہر حال ہم یہاں سے اٹھے اور سیدھے داتا دربار کی طرف چل دیے۔

نقی دربار کی طرف:

در بار پر پہنچ..... دیکھا تو یہ داتا در بار بھی ایک قبر پر ہی مشتمل تھا، اس کے گرد اور کئی قبریں تھیں۔ یہاں اس قدر ہجوم تھا کہ اللہ کی پناہ..... شہر کی سڑکوں پر تو ہم دیکھی ہی چکے تھے کہ لوگوں نے چادر کے کونوں کو تھاما ہوا ہے، آگے آگے ڈھول بجتا جا رہا ہے، نوجوان ڈسکو ڈانس کر رہے ہیں۔ سیٹیاں نجح رہی ہیں۔ راہ چلتے لوگ اس چادر میں نوٹ ڈال رہے ہیں۔ اب جب یہ چادر دربار کے گیٹ پر پہنچی تو ہر شخص اس کے نیچے پناہ کپڑے کی کوشش کرتا، اس کے دامن کو تھامنے کی مقدور بھر جو جہد کرتا، پھر اس رش میں دھمک پیل کی نذر ہوتا، مخالفوں سے جھٹکیاں اور جھٹڑیاں کھاتا۔ جب در بار سے تقریباً ایک فٹ پہلے ایک چوکور جالی دار سنگ مرمر کے سفید کمرے سے گزرنے لگتا تو پہلے اس کمرے کے ساتھ چمٹ جاتا، کوئی آہ وزاری کر کے رو رہا ہے، کوئی جالی پر ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے اور جسم پر پھیر رہا ہے، کوئی اپنا وجود اس کے ساتھ مس کر رہا ہے، لوگ جالیوں کے اندر نوٹ بھی پھینک رہے ہیں۔ نہ جانے یہ کمرہ کتنی بار نوٹوں سے بھرتا ہے اور کتنی بار خالی کیا جاتا ہے!! اس کے بعد بھری یہ حضرات آگے بڑھتے ہیں اور داتا در بار کے ساتھ اس سے کہیں بڑھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

خزانوں کا مالک:

مشہور ہے کہ شیخ معین الدین چشتی جن کا مزار ہندوستان کے شہر اجیم میں ہے، وہ بھی یہاں داتا دربار پر آئے تھے۔ مذکورہ جائی دار کمرے والی جگہ انہوں نے چلہ کاٹا تھا اور پھر فیض پانے کے بعد یہ شعر کہا تھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کامل را را نما

ایک طرف کھڑا میں اپنے ساتھی عبدالقدوس کے ہمراہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور دوسری جانب میری نظر اللہ کے قرآن پر تھی، اس کے آخری رسول ﷺ کے فرمان اور ان کی مبارک سیرت پر تھی..... قرآن میں اللہ اپنے پیغمبر سے کہہ رہے ہیں:

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَفُوْلُ كُلُّ عِنْدِيٍّ خَرَقَنِ اللَّهُ ﷺ (الاتعام: ٢٠)

”میرے نبی! کہہ دو کہ میں تمھیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔“

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے اب اللہ کے رسول تو گنج بخش (خزانے عطا کرنے والے) نہیں ہیں لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ جناب چشتی صاحب اس بزرگ کو گنج بخش قرار دے رہے ہیں..... اور جو دوسری بات ”فیض عالم“ دنیا کو فیض پہنچانے والی ہے، تو یہ کون سا فیض ہے جس کا اکشاف جناب معین الدین چشتی کو ہوا ہے؟ فیض دوہی طرح کا ہو سکتا ہے۔ دینی ہو گا یاد دنیاوی۔ دینی فیض تو قرآن و حدیث کی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ دے گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام ﷺ کبھی یہ فیض اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک پر لینے نہیں گئے، نہ کبھی کوئی مسئلہ پوچھنے گئے، نہ کبھی کوئی چلہ کاٹنے گئے..... اب رہا دنیاوی فیض تو اس کے بارے اللہ اپنے

نبی ﷺ سے فرماتے ہیں:

الْغَيْبُ لَا يَسْتَهِنُ بِشَرْفِ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا نَسِيَ الْأَسْوَدُ ﴿٤٨﴾

(بخاری: ۶۸)

”میرے نبی! کہہ دو کہ میں تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔“

اب جب اللہ کے رسول ﷺ بھی خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو فیض پہنچانے پر قادر نہیں تو حضرت علی ہجوری صاحب فوت ہونے کے بعد اپنے چلہ کشی کرنے والے مرید کو کیا دنیاوی فیض پہنچائیں گے؟

قبوں کے مجاور:

اب رہی بات ”مظہر نور خدا“ ہونے کی، جس کا مطلب خدا کے نور کا ظہور یا اوتار ہے، تو یہ فقرہ ایسے شرکیہ عقیدے کا حامل ہے کہ جس کا تعلق اسلام کے ساتھ بہر حال نہیں ہے۔ باقی جہاں تک قبر کے پاس بیٹھ کر چلہ کشی کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم تو کچھ نہیں کہتے، صرف اپنے پیارے رسول ﷺ کا پیارا فرمان سنائے دیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحْلِسَ أَحَدُ كُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابُهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَحْلِسَ عَلَى قَبْرٍ»

(صحيح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلوة

علیہ: ۹۷۱)

”اگر تم میں سے کوئی شخص کسی انگارے پر بیٹھے اور وہ انگارا اس کے کپڑوں کو جلا دے، پھر اس کے بدن کو جا لگے تو یہ انگارا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ انسان کسی قبر کا مجاور بنے۔“

غرض میں یہ سب کچھ سوچے جا رہا تھا اور لوگوں کو دیکھے جا رہا تھا جو کچھ وہ یہاں کر رہے تھے۔

شہزادی ایران، ذوالفقار علی بھٹو اور سونے کا گیٹ:

یہاں سے دائیں جانب پیروںی طرف ایک سونے کا دروازہ بھی نصب ہے۔ لوگ یہاں بھی پیروںی حنگلے کے ساتھ ہی چٹ چٹ کر آہ وزاریاں کر رہے تھے۔ میں کبھی تو اس دروازے کو دیکھتا تھا اور اس کے ساتھ لگی ہوئی سلیٹ کو دیکھتا تھا، جس کے مطابق اسے شاہ ایران نے بنوایا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے یہاں نصب کیا تھا..... شاہ ایران کو پوری دنیا میں کہیں جائے پناہ نہ ملی، وہ حکومت ایران سے جان بچانے کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد دنیا میں مارا مارا پھرتا رہا اور آخر کار سک سک کر کینسر سے مر گیا۔ تو رہا بے نظیر بھٹو کا والد ذوالفقار علی بھٹو، تو وہ مولوی مشتاق کی عدالت میں پھانسی کے پھندے پر چڑھ گیا..... میں یہ غور کرتا تھا اور لوگوں کو یہاں روتے دیکھ کر سوچتا تھا..... کہ یا اللہ! یہ کیا چاہتے ہیں؟ شاہ ایران والا انجام چاہتے ہیں یا کہ بھٹو جیسا حال چاہتے ہیں..... بہر حال پھر دربار سے ہوتے ہوئے باسیں جانب کارخ کیا تو دربار کے سامنے وسیع و عریض اور خوبصورت مسجد دکھائی دی۔ دربار اور مسجد کا ایک ہی صحن ہے۔ مختلف جگہوں سے آئے چھوٹے درباروں کے گردی نشین کعبے کی طرف پشت کیے ہوئے..... اور دربار کی طرف منہ کیے ہوئے براجمان تھے۔ ہر دلی کے گرد مریدوں کا جم گھٹا تھا، مٹھائیوں کے ڈبے سامنے پڑے تھے، ختم پڑھا جا رہا تھا اور تبرک تقسیم کیا جا رہا تھا۔ ذرا آگے بڑھے تو ایک اور حضرت بڑے جاہ و حشمت سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ مریدوں نے مند بچھائی، حضرت براجمان ہو گئے، دو مرید دائیں باسیں دتی پکھے کی ہوادینے لگے اور دو سامنے موبدانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ حضرت اب دائیں باسیں دیکھ رہے تھے..... کہ کون نیا مرید بننے کے لیے آتا ہے؟ چنانچہ لوگ آکر بیٹھنا شروع ہو گئے۔ مرید حضرت کی شان بیان کرتے جاتے تھے، نئے بننے والے متاثر ہو کر حضرت کے آستانے کا پتا پوچھ رہے تھے، کئی ایک حضرت کی نذر پکھے مال بھی کر رہے تھے۔ غرض چاروں طرف ایسے ”حضرت“ کیش تعداد میں اپنی اپنی محفل سجا کر بیٹھے تھے۔ اب میں سوچنے لگا کہ مسجد تو مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے اور یہ داتا دربار بھی عبادت گاہ بن چکا ہے اور صاحب دربار

بزرگ کو کہا بھی داتا جاتا ہے اور یہ مسجد جو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں تو یہ اس صاحب دربار بزرگ ”داتا کی مسجد“ مشہور ہے۔ دونوں کا صحن بھی ایک ہے۔ ایک طرف یہ دیکھ رہا ہوں اور دوسری طرف جب اپنے سچے نبی ﷺ کے فرائیں کی طرف دیکھتا ہوں تو منظر پچھے اور ہی نظر آتا ہے، حضرت جنبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو وفات پانے سے پانچ دن قبل یہ فرماتے ہوئے سناتے:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنِيَاءَ هُمْ وَ صَالِحِيهِمْ

مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنَّمَا أَنَّهَا كُمْ عَنْ ذَلِكَ»

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد على القبور واتحاد الصور فيها.....الخ: ٥٣٢)

”خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اپنے نبیوں اور نیک بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا، میں تھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔“

یہاں ہم نے دعوت کا کام بھی جاری رکھا، ایک نوجوان کو سمجھانے کی کوشش کی گر اس نے اٹی سیدھی باتیں کر کے بھاگنے ہی کی کوشش کی۔

داتا دربار اچھی طرح دیکھنے کے بعد میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یار جو اصلی داتا دربار دیکھا، تو وہ بھی نقلی نکلا..... اور جو نقلی دیکھا..... یہ سوچ کر کہ کہیں یہ ہی اصلی نہ ہو، تو وہ بھی نقلی ہی نکلا اور پھر یہ نقلی بھی ایسا کہ اس کے اوپر بھی ایک نقل چڑھی ہوئی ہے یعنی اس کی قبر تو سطح زمین پر ہے، اسے دیکھنے کوئی خاص شخص ہی جا سکتا ہے، جبکہ اس کی سیدھی میں ۱۳ فٹ اوپر یہ موجودہ قبر ہے جو کسی بھی انسان سے خالی ہے، جسے لوگ پونج رہے ہیں۔ تو یہ جو دربار بنارکھا ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اصلی داتا دربار تو وہی ہے جسے تم دیکھ آئے ہو..... وہ دربار کہ جسے بنانے کا اللہ نے خود اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا..... وہ اللہ کا گھر کہ جس پر کالی چادر چڑھائی جاتی ہے..... جسے غسل دیا جاتا ہے.....

جس کے ساتھ چٹ کر رویا جاتا ہے..... جس کے سیاہ پتھر کو چو ما جاتا ہے..... جس کے گرد والہانہ طواف کیا جاتا ہے..... جس کا تبرک آب زم زم پیا جاتا ہے..... جس کا سفر کرنے کے لیے خاص طرح کا سفید لباس (احرام) پہنا جاتا ہے..... وہ ہے عرش والے داتا کا دربار، جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے..... باقی دنیا میں جتنی بھی مسجدیں ہیں، ان سب کا تعلق دراصل اسی دربار کے ساتھ ہے۔ اگر ان مسجدوں کا تعلق اس دربار کے ساتھ نہ رہے تو یہ مسجدیں مسجدیں نہ رہیں گی، یہ کچھ اور ہو جائیں گی۔ باقی میرے بھائی! یہ جواب ہم نے فوت شدہ بزرگ کا دربار دیکھا ہے تو یہاں پر تو ساری اس اصلی مکہ مکرہ والے داتا دربار کی نقلی ہے۔

اسے منوں کے حساب سے عرق گلاب کا غسل دیا جاتا ہے، لوگ عرق پیتے اور چہروں پر ملتے ہیں۔ اسی طرح سبز چادریں چڑھائی جاتی ہیں، اس کے ساتھ لپٹ کر آہ و زاری کی جاتی ہے۔ اس کے پتھروں کو چو ما جاتا ہے، یہاں دودھ کی سبلیں لگائی جاتی ہیں اور تمک کھائے جاتے ہیں۔ سبز لباس پہنے جاتے ہیں اور دور دراز سے اس کی زیارت کا قصد کر کے اس کا سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ اس دربار کی مسجد کا تعلق رسی طور پر تو مکہ والے اصلی داتا دربار کے ساتھ ہی ہے مگر نام کی مشہوری کے اعتبار سے اور عملی طور پر اسی نقی داتا دربار کے ساتھ اس کا تعلق جوڑ دیا گیا ہے..... تو میرے بھائی! آئیے! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ایک بار ہر ایک کو وہاں لے جائے اور سب مل کر اس بات کی کوشش کریں کہ لوگوں کے رخ نقی داتا درباروں سے موز کر اسی اصلی داتا دربار کی طرف موزیں۔ (ان شاء اللہ!)



باب نمره ۸

مسلمانوں کے ”ولی“، عیسائیوں کے ”سینٹ“

جسے داتا دربار کہتے ہیں، اس کے ساتھ ہی پیر کی دربار ہے، بیہاں لگے ہوئے ایک شال پر میں نے تصاویر دیکھیں تو.....

ایک تصویر میں سندھ کے شہباز قلندر کا مزار بنا ہوا ہے اور قلندر صاحب مزار کے سامنے ڈالس کر رہے ہیں۔ ساتھ ایک شخص ڈھول بجا رہا ہے جبکہ پہلو میں ایک بڑے بزرگ کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ جبکہ اوپر لکھتے ہوئے شعر سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کس کی تصویر ہے۔

شعر یہ ہے ۔

دما دم مست قلندر علی دا پہلا نمبر
علی شہباز قلندر

ایسے ہی یہ ایک دوسری تصویر ہے، اس میں بنے ہوئے مزار پر لکھا ہے ”روضہ مبارک کانواں والی سرکار گجرات“ اور پھر کانواں والی سرکار کو یوں دکھایا گیا ہے کہ وہ صرف پہلوانوں والی ایک لنگوٹی پہنے ہوئے ہے، داڑھی سے نیچے تک موچھیں لٹکائے ہوئے، ار د گرد کو دل کوٹھائے ہوئے، انھیں کچھ کھلا رہا ہے۔ جبکہ ساتھ بیٹھا ہوا خلیفہ ہاتھ میں کڑا ڈالے ہوئے آٹا گوندھ کر کوں کوکھلا رہا ہے، دوچھے بھی موجود ہیں اور ان پر بھی کوئے بیٹھے ہیں۔ یعنی سارے کام شرع کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت والے، یہ ولیوں

کے کام..... تو ولی صاحب کی موچھیں داڑھی سے بڑھ گئیں۔ آپ ﷺ نے کچا پیاز کھانے والے کو مسجد میں جانے سے منع کیا تو یہاں خیر سے بدبو کا بادشاہ حقہ پیا جا رہا ہے اور پورا بدن سوائے لگوٹی کے ننگا کر دیا جاتا ہے، شرم و حیا کا جنازہ نکال دیا جاتا ہے تو بہی یہ ولی رہتا ہے اور کام اس کا کیا ہے؟..... کوئوں کو آٹا ڈالنا۔

یہ ایک تیسری تصویر ہے، اس میں موہرہ شریف کے تین ولیوں کو دکھلایا گیا ہے یعنی پیر محمد قاسم، پیر ہارون رشید اور پیر نظیر احمد صاحب۔ پیر نظیر تو اس قدر موٹا ہے کہ نہ جانے بیٹھا کسے ہے!!!

یہ حجرہ شاہ مقیم کے اولیاء ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے، ایک بچہ ہے، ایک داڑھی والا ہے، باقی تینوں داڑھی منڈے ہیں، موچھوں والے ہیں، مگر ہیں ولی حتیٰ کہ ایک داڑھی منڈے نوجوان کی تصویر پر لکھا گیا ہے: ”پیر بہاول شیر قلندر پاک“ اور جو بڑا بزرگ داڑھی منڈا ہے، اس کے کندھے پر باز بیٹھا ہے۔ مجھے اس بات سے بڑی حیرانی ہوئی ہے کہ ان بزرگوں کے پاس کوئے، باز، سانپ اور شیر یعنی درندے ہیں دکھائی دیتے ہیں، وہ کہ جنہیں اسلام نے ناپاک اور جخس قرار دیا ہے، نہ جانے اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ ایک اور بیخ تینی تصویر ہے۔ یہ حضرت چن پیر کے دربار پر بنائی گئی ہے۔ یہ سارے داڑھی منڈے ہیں۔ ایک آٹھ دس سالہ بچہ بھی ہے جس کا نام کچھ یوں لکھا گیا ہے: ”حضرت جناب علی ماہی پیر گیلانی“ اور جو چن پیر ہے، اس کی موچھیں موجود اور داڑھی غائب ہے، نام اس طرح سے لکھا گیا ہے: ”شبیہ حضرت جناب فیض مآب امیر حیدر امام عرف چن پیر گیلانی“ اور ایک دوسرے بزرگ کا نام یوں لکھا ہوا ہے: ”علی حضرت جناب فیض مآب پیر اصغر علی شاہ گیلانی، المشہور بودیاں والے“..... یہ داڑھی منڈے اولیاء ہیں، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ بار بار مختلف الفاظ میں داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

ملا حظہ کبھی آپ ﷺ کے احکامات۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَعْفُوا اللّٰهُ عَلٰى الْخَيْرِ» (۱)

”داڑھی کو معاف کردو۔“

(۲) «أَوْفُوا الْلِّحْيَ»

”داڑھیوں کو پورا رکھو۔“

(۳) «أَرْخُو الْلِّحْيَ»

”داڑھیوں کو لٹکاؤ۔“

(صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطره)

مگر ستم بالائے ستم یہ کہ اس پیغمبر کے امتی کہلانے والے داڑھی منڈے ولی بن گئے ہیں
”فیض آب“ بن گئے ہیں۔

اسی طرح ایک تصویر اس طرح ہے کہ چھ دربار دکھلا کر چھ ولی دکھلائے گئے ہیں۔ یہ ولی
محبوب علی دہلوی، بوعلی احمدیر والے، معین الدین چشتی، قطب اللہ دہلوی، بابا فرید گنج شکر اور
پیر عبدالقدار جیلانی ہیں۔ یہ چھ بزرگ اکٹھے بیٹھے ہیں۔ نیچے کشتی بنائی گئی ہے، ساتھ عورت
دعا میں مصروف ہے اور پھر بغداد والے پیر عرف گیارہویں والے کا ہاتھ کشتی کے پیچھے نمودار
ہوتے دکھلایا گیا ہے۔ اسی منظر کو ایک دوسری تصویر میں مزید وضاحت سے پیش کیا گیا ہے
اور لکھ دیا گیا ہے ”یا غوث اعظم دیگیرما“ یعنی اے ہمارا ہاتھ پکڑنے والے، بہت بڑے فریاد کو
پہنچنے والے! اور یہ شعر بھی لکھا گیا ہے۔

لے یار ہویں والے دا ناں
تے ڈبی ہوئی ترپے گی

پیر بغداد والے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تصاویر:

بغداد کا صدام حسین جو کہ بقول میاں نورانی گیارہویں دیتا ہے اور وہ سید صدام حسین
کاظمی ہے، وہ برباد ہو گیا، خلیج میں اس کے بیڑے ڈوب گے، مگر کوئی بھی ترانہ سکا۔ بیڑیاں
اور بیڑے کیا ترتے، یہاں تو خود پیر بغداد کا اپنا مزار بھی جہازوں کی بمباری سے محفوظ نہ رہا،

اس کے میnarے ترٹا خ کر کے ٹوٹ گئے، غرض یہ ایک واقعہ تھا جو ہو چکا۔ اللہ نے دکھلا دیا کہ کوئی مشکل کشا اور دستگیر نہیں، جس کا جی چاہے اس سے نصیحت پکڑے۔ غرض ان چھ بزرگوں کے نیچے پھر ایک بزرگ ہاتھ میں سانپ پکڑے شیر پر سوار ہے اور اس کے سامنے ایک ولی حضرت مساد یوار پر بیٹھا ہے اور دیوار چلنے لگی ہے۔

یہ ایک تصویر ہے۔ اس میں ۷۵ ولیوں کی تصاویر ہیں۔ سب سے بڑی گیارہویں والے پیر کی، دوسرے نمبر پر جناب حضرت علی ہجویری کی اور ان کے علاوہ دیگر تمام ولی مع نانے پوچھے، ان میں وہ بھی ہیں کہ جن کی طرف دیکھ کر بچہ ڈر جائے اور وہ بھی کہ جن کی نہادڑھی نہ مونچھ، نہ سر کے بال اور نہ لگنوٹی کے سوا کچھ اور.....

پھر اس بت پرستی کا ایک اور شاہ کار بھی ہے۔ یہ بابا تاج الدین ناگپوری ہے اور اس کے سامنے ایک عورت بیٹھی ہے۔ چنانچہ ایک ولی خاتون کی تصویر رہ گئی تھی، اس کی کسر بھی پوری کر دی گئی۔

قارئین کرام! یہ تو تھی ولیوں کی داستان، یہ لوگ اس سے آگے بڑھے اور صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے۔ انہوں نے کربلا کا نقشہ کھینچا، حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے پر روتے دکھلایا گیا ہے، رُخی گھوڑے کو دکھلا کر اوپر شہید کربلا اور شام غریباں لکھ دیا۔ ایک دوسری تصویر میں حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنا کر ”یا علی مدد شیر خدا“ لکھ دیا ہے۔

ان پاکباز لوگوں کی تصاویر بنا کر یہیں پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ لوگ اور آگے بڑھے، حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی بنائی اور لکھ دیا ”کشتی حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم“ درندے، پرندے، چندے اور انسان اس کشتی میں داخل ہو رہے ہیں۔ حضرت نوح صلی اللہ علیہ وسلم کشتی کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے اس میں سوار ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ سامنے پہاڑ پر ان کا بیٹا چڑھ رہا ہے۔

جدال الانبیاء، خلیل الرحمن، حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی بنادی گئی ہے۔ دامیں ہاتھ میں چھری دکھائی گئی ہے اور اس کے نیچے دنبہ کھڑا ہے جب کہ بایاں ہاتھ بچے کے پیٹ پر

ہے، جس کی ٹانگیں رسی کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں اور آنکھوں پر پٹی ہے۔ اوپر سے عورت کی شکل کا فرشتہ دکھلائی دے رہا ہے، جو نازل ہو رہا ہے۔

بشرکریں مکہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کی ایسی ہی تصاویر بنا رکھی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَبْيَ أَنْ يَدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيهِ الْالِهَةُ فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ فَأُخْرِجَ رَجُلٌ صُورَةُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ فِي أَيْدِيهِمَا مِنَ الْأَرْلَامِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلُهُمُ اللَّهُ لَقَدْ عَلِمُوا مَا اسْتَقْسَمُوا بِهَا قَطُّ»

(صحیح بخاری، کتاب المغازی باب این رکز النبی ﷺ الرایہ یوم الفتح :

(۴۲۸۸)

”جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں آئے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور مشرکین کے معبدوں کو نکالنے کا حکم دیا، تو انھیں نکال دیا گیا بیت اللہ میں سے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی تصاویر بھی نکال دی گئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ انھیں تباہ کرے انھیں علم ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی تصاویر بھی بنا دی گئی ہیں اور وہ منظر پیش کیا گیا ہے کہ جب شجر منونہ چکھنے سے جنتی لباس اتر گیا اور پھر جنت کے بیرون سے اپنے آپ کو دونوں ڈھانپنے لگے۔ اب آپ خود انداز کر لیں کہ اس منظر کشی کی تصویر کیسی ہو گی؟..... اس موضوع پر ہندوؤں نے بالکل ننگی اور فیض فیض میں بھی بنا ڈالی ہیں کہ جس میں حضرت آدم اور امام حسن عسکری علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو غیرت کیا آتا تھی؟! ان قبوری حضرات نے ان کی دیکھا دیکھی ان کی نیم برہنہ تصاویر بنانے کی جسارت کر ڈالی۔ قارئین کرام! انہیاں کرام اور اصحاب عظام نبی اللہ علیہ السلام

کے یہ تو ہیں آمیز مناظر لندن میں نہیں بن رہے کہ جہاں شیطان رشدی نے شیطانی حرکتیں کیں بلکہ یہ سب کچھ پاکستان میں چھپتا ہے اور درباروں کے سامنے تلے بکتا ہے۔ اسی طرح خانقاہی اور درباری ویبوں کی تصویریں اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ اب (نعوذ باللہ) اللہ کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ شرک کا کاروبار، بت فروشی کا یہ دھندا جب گھر گھر پہنچ کر دیواروں کے ساتھ سمجھا ہے، الماریوں اور شیشے کے فریبوں میں جڑتا ہے تو درباروں اور خانقاہوں کی رونقوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ کہیں مکملہ اوقاف کی تجویریاں بھرتی ہیں تو گدی نشین اور سجادہ نشین بھی لوگوں کے مال و دولت کو دنوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں، ایمان بھی برباد کرتے ہیں اور عزت ہاتھ لگ جائے تو اسے بھی بالعموم جانے نہیں دیتے۔ جب کوئی کپڑا جاتا ہے تو کہتے ہیں ”جعلی پیر تھا“ جبکہ اصل بات یہ ہے، جو کسی نے خوب کی ہے کہ ”مرزا کپڑا گیا اور گلدا ہو گیا جبکہ باقی راجحہ اور مجنوں وغیرہ..... کپڑے نہیں گئے، اس لیے وہ عاشق صادق بن گئے۔“ باقی اس گھر میں جو بھی اترے ہیں اور جو گھر میں اتر جائے بھلا اس کے کپڑے سلامت کب رہتے ہیں؟ تو یہ حال ان پیروں کا ہے جو کہ سارے ہی جعلی ہیں، اصل تو ہوتا ہی کوئی نہیں، کیونکہ اسلام میں اس کی اصل کا وجود ہی نہیں، یہ درباری اور خانقاہی بیماری عیسائیوں سے ہی ادھر آئی ہے اور جس انجام سے وہ دوچار ہوئے ہیں اسی انجام سے یہ گزر رہے ہیں۔ بس ڈھکنا اٹھانے کی ضرورت ہے، دیکھیے کون اللہ کا بندہ یہ کام کرتا ہے.....؟ مگر عیسائیوں کا جو ڈھکنا اٹھ چکا ہے، وہ تو ملاحظہ کیجیے! مولا نا مودودی عَلَيْهِ السَّلَامُ نے تفہیم القرآن میں سورہ حدیہ کی آیت:

وَرَهْبَانِيَةَ ابْنَدَ عَوْهَلَمَا كَيْنَهَا لَعَلَّهُمْ يَرَهُ (الحمدہ: ۶۷)

”اور صوفیت انہوں نے خود ایجاد کر لی جسے ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔“
اس کی تشریح کرتے ہوئے عیسائیوں کے درباری اور خانقاہی نظام کی کچھ جھلکیاں پیش کی ہیں، وہ ملاحظہ کیجیے۔

عیسائی راہبوں کی عجیب و غریب باتیں:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔ اس کا بانی سینٹ انھونی (St.Anthony) تھا، جو ۲۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۵۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اسے پہلا مسیحی راہب قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے فیوم کے علاقے میں پسپیر کے مقام پر (جو اب دیر الیسوں کے نام سے معروف ہے) پہلی خانقاہ قائم کی۔ اس کے بعد دوسری خانقاہ اس نے بحر احمر کے ساحل پر قائم کی، جسے اب ”دیر مار انطونیوس“ کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں میں رہبانیت کے بنیادی قواعد اس کی تحریروں اور ہدایات سے مانوذ ہیں۔ اس کے آغاز کے بعد یہ سلسلہ مصر میں سیالب کی طرح پھیل گیا اور جگہ جگہ راہبوں اور رہبہات کے لیے خانقاہیں قائم ہو گئیں، جن میں سے بعض میں تین تین ہزار راہب بیک وقت رہتے تھے۔ ۳۲۵ء میں مصر ہی کے اندر ایک اور مسیحی ولی پاخنیوں نمودار ہوا، جس نے دس بڑی خانقاہیں راہبوں اور رہبہات کے لیے بنائیں، اس کے بعد یہ سلسلہ شام و فلسطین اور افریقہ و یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیلتا چلا گیا۔ کلیسا میں نظام کے ابتدائی دور میں اس رہبانیت کے معاملہ میں سخت ابھجن پیش آئی کیونکہ وہ ترک دنیا، تجد و اور غربی و مفلسی کو روحانی زندگی کا آئینہ میں تو سمجھتا تھا، مگر راہبوں کی طرح شادی بیاہ اور اولاد پیدا کرنے اور ملکیت رکھنے کو گناہ بھی نہ ٹھہرا سکتا تھا۔ بالآخر سینٹ آنھنا سیلوں (متوفی ۳۷۳ء)، سینٹ باسل (متوفی ۳۷۹ء)، سینٹ اگسٹائن (متوفی ۳۳۰ء) اور گریگوری عظیم (متوفی ۶۰۹ء) جیسے لوگوں کے اثر سے رہبانیت کے بہت سے قواعد چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل ہو گئے۔ اس راہبانہ بدعت کی چند خصوصیات تھیں جنہیں ہم اختصار کے ساتھ یہاں بیان کرتے ہیں۔

پہلی خصوصیت سے متعلق:

سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینا۔ اس معاملہ میں ہر راہب دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ عیسائی اولیاء کے تذکروں میں ان

لوگوں کے جو کمالات بیان کئے گئے ہیں وہ کچھ اس قسم کے ہیں۔ اسکندر یہ کائینٹ مکاریوں ہر وقت اپنے جسم پر ۸۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا۔ ۲ ماہ تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی کھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ اس کے مرید کائینٹ یوسپیوس نے اپنے پیر سے بھی بڑھ کر ریاضت کی۔ وہ ۱۵۰ پونڈ کا بوجھ اٹھائے پھرتا تھا اور ۳ سال تک ایک خشک کنوں میں پڑا رہا۔ کائینٹ سایپیوس صرف وہ مکنی کھاتا تھا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بد بودار ہو جاتی تھی۔ کائینٹ بیساریون ۲۰ دن تک خاردار جھاڑیوں میں پڑا رہا اور ۲۰ سال تک اس نے زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔ کائینٹ پاخومیوس نے ۱۵ سال اور ایک روایت کے مطابق ۵۰ سال زمین پر پیٹھ لگائے بغیر گزار دیے۔ ایک ولی کائینٹ جان تین سال تک عبادت میں کھڑا رہا۔ اس پوری مدت میں وہ نہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا۔ آرام کے لیے بس ایک چٹان کا سہارا لے لیتا تھا۔ اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا جو ہر اتوار کو اس کے لیے لا یا جاتا تھا۔ کائینٹ سیکیون اشانکلائٹ (۳۹۰ء، ۴۳۰ء) جو عیسائیوں کے اولیائے کبار میں شمار ہوتا ہے، ہر ایسٹر سے پہلے پورے چالیس دن فاتحہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک ناگ پر کھڑا رہا۔ بسا وفات وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنوں میں جا رہتا تھا۔ آخر کار اس نے شامی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ۶۰ فٹ بلند ستون بنوایا جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ کے گھیرے میں تھا اور اوپر کٹھرا بنا دیا گیا تھا۔ اس ستون پر اس نے پورے تیس سال گزار دیے دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سب اس پر سے گزرتی رہتی تھیں اور وہ کبھی ستون سے نہ اترتا تھا۔ اس کے مرید سیڑھی لگا کر اس کو کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک رسی لے کر اپنے آپ کو اس سے باندھ لیا یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہو گئی، گوشت سڑکیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ جب کوئی کیڑا اس کے پھوٹوں سے گرجاتا تو اسے اٹھا کر پھر پھوٹے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا ”کھا جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے۔“ میسیحی عوام، دور دراز سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ جب وہ مرات تو میسیحی عوام کا فیصلہ تھا کہ وہ عیسائی ولی کی

بہترین مثال تھا۔

اس طرح اولیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ایسی ہی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ کسی ولی کی تعریف یہ تھی کہ ۳۰ سال تک وہ بالکل خاموش رہا اور کبھی اس کو بولتے نہ دیکھا گیا، کسی نے اپنے آپ کو ایک چٹان سے باندھ رکھا تھا۔ کوئی جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور گھاس پھوٹ کھا کر گزارہ کرتا۔ کوئی بھاری بوجھ ہر وقت اٹھائے پھرتا۔ کوئی طوق و سلاسل سے اپنے اعضاء جکڑے رکھتا۔ کچھ حضرات جانوروں کے بھٹوں، یا خشک کنوں، یا پرانی قبروں میں رہتے تھے اور کچھ دوسرے بزرگ ہر وقت ننگے رہتے اور اپنا ستر اپنے لمبے لمبے بالوں سے چھپاتے اور زمین پر ریگ کر چلتے تھے۔ ایسے ہی ولیوں کی کرامات کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی ہڈیاں خانقاہوں میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ میں نے خود کوہ سینا کے نیچے کیتھاں کی خانقاہ میں ایسی ہی ہڈیوں کی ایک پوری لاہبری کی ہوئی دیکھی ہے۔ جس میں کہیں اولیاء کی کھوپڑیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں، کہیں پاؤں کی ہڈیاں اور کہیں ہاتھوں کی ہڈیاں اور ایک ولی کا تو پورا ڈھانچہ ہی شیشے کی ایک الماری میں رکھا ہوا تھا۔

دوسرے عجوبے سے متعلق:

ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر وقت گندے رہتے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ نہنا یا جسم کو پانی لگانا..... ان کے نزدیک خدا پرستی کے خلاف تھا، جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست سمجھتے تھے۔ سینٹ اٹھانا لسپیوس بڑی عقیدت کے ساتھ سینٹ اپنٹھنی کی یہ خوبی بیان کرتا ہے کہ اس نے مرتے دم تک کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے۔ سینٹ ابراہام جب سے داخل میسیحیت میں داخل ہوا، پورے ۵۰ سال اس نے نہ منہ دھویا نہ پاؤں۔ ایک مشہور راہبہ کنواری سنویا نے عمر بھرا پنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے کو پانی نہیں لگنے دیا۔ ایک کانونیٹ کی ۱۳۰ راہبات کی تعریف میں لکھا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے

اور غسل کا تونام سن کر ہی ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

اس رہبانیت نے ازدواجی زندگی کو عملاً بالکل حرام کر دیا اور نکاح کے رشتے کو کاٹ چھینکنے میں سخت بے دردی سے کام لیا۔ چوچی اور پانچویں صدی کی تمام مذہبی تحریریں اس خیال سے بھری ہوئی ہیں کہ تجدید سب سے بڑی اخلاقی قدر ہے اور عفت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جنسی تعلق سے قطعی احتراز کرے، خواہ وہ میاں بیوی کا تعلق ہی کیوں نہ ہو۔

پاکیزہ روحانی زندگی کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ آدمی اپنے نفس کو بالکل مار دے اور اس میں جسمانی لذت کی کوئی خواہش تک باقی نہ چھوڑے۔ ان لوگوں کے نزدیک خواہش کو مار دینا اس لیے ضروری تھا کہ اس سے حیوانیت کو تقویت پہنچتی ہے۔ ان کے نزدیک لذت اور گناہ ہم معنی تھے، حتیٰ کہ مسرت بھی ان کی نگاہ میں خدا فراموشی کے مترادف تھی۔ سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو منوع قرار دیتا ہے۔ انہی تصورات کی بنابر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں قطعی نہجس قرار پا گیا تھا۔ پھر ان درباری اور خانقاہی ولیوں کی تاریخ میں یہ دور بھی آیا کہ روم کے ایک ولی کی وفات پر دو گروہوں نے پاپائی کے لیے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کیے، دونوں کے درمیان سخت خونزیزی ہوئی حتیٰ کہ ایک دن میں صرف ایک چرچ سے ۱۳ لاشیں نکالیں گئیں۔

فقر کے پردے میں دنیا پرستی:

اس ترک و تحرید اور فقر و درویشی کے ساتھ دولت دنیا سمیئنے میں بھی کمی نہ کی گئی۔ پانچویں صدی کے آغاز ہی میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ روم کا بیش بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تھی تو اس کے ٹھاٹھ بائٹھ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے تھے۔ سینٹ جیرو م اپنے زمانے (پوچھی صدی کے آخری دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بیشپوں کی دعوییں اپنی شان میں گورزوں کی دعوتوں کو شرمناتی ہیں۔ خانقاہوں اور کنیسیوں کی طرف دولت کا یہ بہاؤ ساتویں صدی (نزول قرآن کے زمانے) تک پہنچتے پہنچتے

سیلا ب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یہ بات عوام کے ذہن نشین کر ادی گئی تھی کہ جس کسی سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو جائے، اس کی بخشش کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذر اناہ چڑھانے یا کسی خانقاہ یا چرچ کو بھینٹ دینے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد وہی دنیا را ہبوں کے قدموں میں آرہی کہ جس سے فرار ان کا طرہ امتیاز تھا۔ خاص طور پر جو چیز اس تزلی کا موجب ہوئی، وہ یہ تھی کہ را ہبوں کی غیر معمولی ریاضتیں اور ان کی نفس کشی کے کمالات دیکھ کر جب عوام میں ان کے لیے بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی تو بہت سے دنیا پرست لوگ لباس درویش پہن کر را ہبوں کے گروہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ترک دنیا کے ہیس میں جلب دنیا (دنیا کے حصول) کا کاروبار ایسا چکایا کہ بڑے بڑے طالبین دنیا ان سے مات کھا گئے۔

فطرت کے خلاف جنگ کا نتیجہ:

عفت کے معاملہ میں بھی فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی اور جب شکست کھائی تو بری طرح کھائی۔ خانقاہوں میں نفس کشی کی کچھ مشقیں ایسی بھی تھیں جن میں را ہب اور را ہبات مل کر ایک ہی جگہ رہتے تھے اور بسا اوقات ذرا زیادہ مشق کرنے کے لیے ایک ہی بستر پر رات گزارتے تھے۔ مشہور را ہب سینٹ ایوا گرلیس (St.Evagrius) بڑی تعریف کے ساتھ فلسطین کے ان را ہبوں کے ضبط نفس کا ذکر کرتا ہے جو اپنے جذبات پر اتنا قابو پا گئے تھے کہ عورتوں کے ساتھ یکجا غسل کرتے تھے اور ان کی دید سے، ان کے لمس سے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ ہم آغوش ہونے سے بھی ان کے اوپر فطرت غلبہ نہ پاتی تھی۔ غسل اگرچہ رہبانیت میں سخت ناپسندیدہ تھا مگر نفس کشی کی مشق کے لیے اس طرح کے غسل بھی کر لیے جاتے تھے۔ آخر کار اسی فلسطین کے متعلق نیسا (Nyssa) کا سینٹ گریگوری متومن ۳۹۶ء لکھتا ہے کہ وہ بدکداری کا اڈا بن گیا ہے۔ انسانی فطرت کبھی ان لوگوں سے انتقام لیے بغیر نہیں رہتی جو اس سے جنگ کریں۔ رہبانیت اس سے لڑ کر بالآخر بداخلی کے جس گڑھے میں جا گری، اس کی داستان آٹھویں صدی سے گیارہویں صدی عیسوی تک کی مذہبی

تاریخ کا بد نما ترین داغ ہے۔ دسویں صدی کا ایک اطالوی بیش پ لکھتا ہے کہ ”اگر چرچ میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے خلاف بد چلنی کی سزا میں نافذ کرنے کا قانون عملًا جاری کر دیا جائے تو لڑکوں کے سوا کوئی سزا سے نفع نہیں گا اور اگر حرماں بچوں کو بھی مذہبی خدمات سے الگ کر دینے کا قاعدہ نافذ کیا جائے تو شاید چرچ کے خادموں میں کوئی لڑکا تک باقی نہ رہے۔“ قرون متوسطہ کے مصنفوں کی کتابیں ان شکایتوں سے بھری ہوئی ہیں کہ راہباؤں کی خانقاہیں بداخلی کے چکلے بن گئی ہیں ان کی چار دیواریوں میں نوزاںیدہ بکوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محترمات تک سے ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع فطری جرائم تک پھیل گئے ہیں اور کلیساوں میں اعتراض گناہ (Confession) کی رسم بد کرداری کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

قارئین کرام! مسلمان صوفیاء کی عظمتوں کے جو نقشے ہم نے آپ کے سامنے رکھے انھیں بھی ملاحظہ کریں اور سوچیں کہ آج کس قدر اشترک پیدا ہو چکا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے کس قدر بتاہ کرن ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور جو محفوظ ہیں انھیں غیر محفوظ لوگوں کو محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

وَ مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

